TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

سفر نامہ ابن فضلان

۳۰۹ھ - ۹۲۱ء

بلغارستان کے بادشاہ کے دربار میں خلیفہ المقتدر کے سفیر احمد بن فضلان

کی سیاحت ممالکِ اتراک ، باشکرد ، خزرستان اور نارمنوں کے

روس" نامی قبیلہ کے رسم و رواج کے بارے میں دلچسپ مشاہدات

خالد لطیف

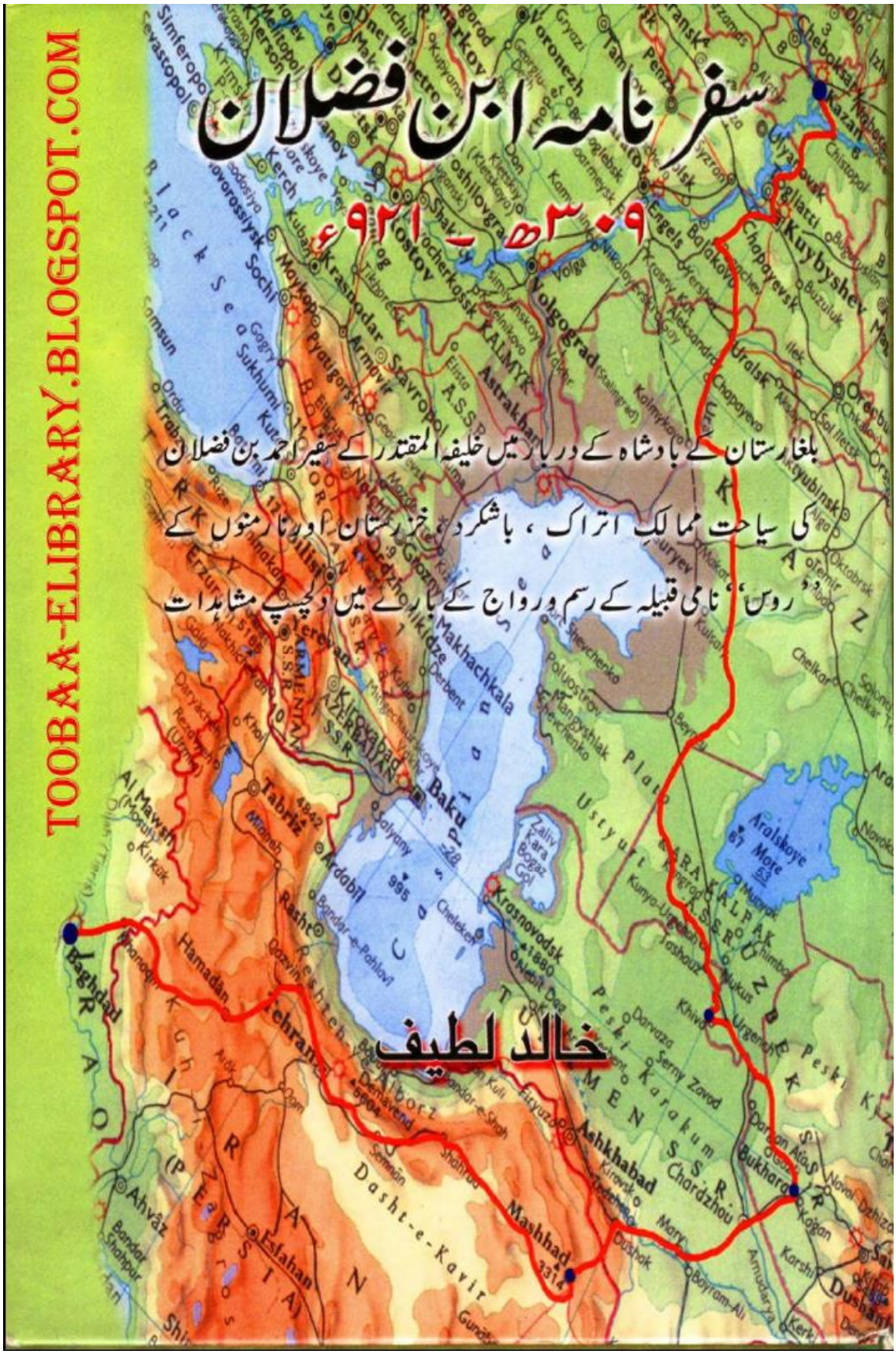

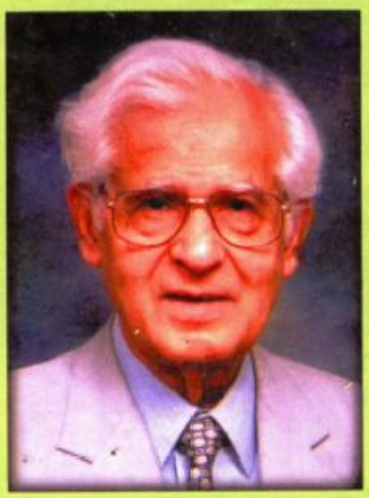

خالد لطیف ۲۱۔ جون ۱۹۲۷ کو بمبئی (ممبئی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بمبئی میں حاصل کی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ۱۹۴۳ میں میٹرک اور بمبئی یونیورسٹی سے ۱۹۴۷ میں گریجویشن کیا۔ دوران تعلیم تحریک پاکستان کے بارے میں بمبئی کے مختلف اُردو اخبارات ورسائل بشمول روزنامہ انقلاب اور روزنامہ خلافت میں مضمون تحریر کئے۔ معاشایات پر لکھے گئے مضامین قیام پاکستان کے بعد ''پاکستان کا معاشی جائزہ'' کے عنوان سے ۱۹۵۰ میں کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

خالد لطیف ۲۶۔ ستمبر ۱۹۴۷ کو بمبئی سے براستہ کراچی لاہور آئے۔ دسمبر ۱۹۴۷ تا جون ۱۹۴۸ ہفتہ وار ''کہکشاں'' لاہور کے نائب مدیر کے طور پر کام کیا۔ اکتوبر ۱۹۴۸ کو ''نوائے وقت'' لاہور سے بحیثیت سب ایڈیٹر منسلک ہوئے جہاں سب ایڈیٹر کے بعد رپورٹر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ وسط ۱۹۵۱ میں نوائے وقت سے روزنامہ ''آفاق'' اور وہاں سے دسمبر ۱۹۵۱ میں یونائیٹڈ اسٹیٹس انفارمیشن سروس (USIS) میں چلے گئے۔ ستمبر ۱۹۵۶ میں جب برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے نہر سویز پر حملہ اور قبضہ کیا تو احتجاجاً مستعفی ہو کر انگریزی اخبار ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' (C&MG) لاہور سے سینئر رپورٹر کی حیثیت سے منسلک ہوئے۔ جولائی ۱۹۵۹ میں C&MG سے مستعفی ہو کر برطانوی نیوز ایجنسی ''اسٹار'' (Star News Agency) سے بطور لاہور بیورو چیف وابستہ ہوئے۔ ۱۹۶۲ میں مارشل لاء کے خاتمے پر اردو پریس سروس (UPS) کے نام سے اردو میں خبر رسانی کا ادارہ قائم کیا اور اس کے لئے اردو میں ٹیلی پرنٹر بنوائے۔ ۱۹۶۴ کے صدارتی انتخاب میں جس میں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے فیلڈ مارشل ایوب خان کو للکارا تھا حکومت اُردو پریس سروس کی کارکردگی سے ناراض ہوگئی اور نتیجتاً ادارہ کو ملنے والی سرکاری امداد روک دی گئی جس کی وجہ سے ٹیلی پرنٹر کسٹم سے چھڑائے نہ جا سکے اور نیشنل بینک آف پاکستان نے اُن کو اے پی پی کے حوالے کر دیا۔ اُردو پریس سروس لشٹم پشٹم چلانے کی کوشش کی مگر سرکاری امداد کے بغیر نہ چلائی جا سکی اور بہت زیادہ مقروض ہو جانے کے باعث ۱۹۶۸ میں اس کو بند کر دینا پڑا۔

خالد لطیف نے مختلف موضوعات پر اُردو اور انگریزی میں بے شمار مضامین اور کئی انگریزی کتب کا اُردو میں ترجمہ کیا اور مکتبہ جدید لاہور کے لئے ''معلومات عامہ'' کے موضوع پر ایک کتاب مرتب کی۔

۶۲۔۱۹۶۱ میں ہانگ کانگ سے شائع ہونے والے ہفتہ وار اخبار ''ایشیا میگزین'' کی جو ایشیا کے بڑے بڑے انگریزی اخباروں کے ساتھ اتوار کے اتوار تقسیم ہوتا تھا مغربی پاکستان میں نمائندگی [illegible] مختلف مسائل پر مضامین لکھے۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

سفر نامہ ابن فضلان

احمد ابنِ فضلان بن العباس بن راشد بن حماد صاحب علم وفضل شخص تھے،اُس سفارتی وفد میں شامل تھے جو 309ھ بمطابق 921ء میں عباسی خلیفہ مقتدر باللہ نے وسطی ایشیاء میں بلغار کے ملک میں بھیجا تھا، یہ سفارت بلغاریہ کے نو مسلم بادشاہ المش بن یطوار کی درخواست پر بھیجی گئی تھی تاکہ دینِ اسلام کی تعلیمات سے اسے آگاہ کرے اور وہاں مسجد و منبر اور قلعہ کی تعمیر میں مدد دے۔

انیسویں صدی میں مغربی فضلاء کی اس سفر نامہ کی طرف توجہ ہوئی اور انہوں نے اس میں گہری دلچسپی لی، کیونکہ روسی قوم اور ملک کی ابتدائی تاریخ پر اس سے روشنی پڑتی ہے،ابن فضلان نے جن روسیوں کا ذکر کیا ہے یہ نارمن قوم (ڈنمارک، ناروے، سویڈن نارمن قوم کے خطے ہیں) کی ایک شاخ روس نامی قبیلہ اور قوم کی اصل گویا یہی قبیلہ ہے۔نارمن ، جرمن، روسی، قوموں نے اپنی ابتدائی تاریخ کی کڑیاں اس میں دریافت ہونے پر اس میں خوب دلچسپی لی۔ کئی مغربی زبانوں میں تراجم کئے گئے۔

اس کتاب کے دو اندرجات میرے خیال میں خاص تحقیق طلب ہیں، ریسرچ کے میدان میں شہسواروں کے لئے ان پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

پہلا اقتباس کا خلاصہ یوں ہے:

"یاجوج ماجوج کے ایک دیو ہیکل شخص کا تذکرہ ہے، جو دریا میں بہہ کر بلغاریہ آیا تھا اور بلغار کے نو مسلم بادشاہ نے اس کو اپنی نگرانی میں اپنے ملک ٹرجائے رکھا لیکن پھر اُس کی ہلاکت آفرینیوں کی وجہ سے اسے قتل کرادیا، ابن فضلان کے پوچھنے پر بادشاہ نے اس کا سراپا اور اس کے احوال سنائے تھے۔ بادشاہ کے بیان کے مطابق اس کا قد 12 زرع (18 فٹ)، سر دیگ کے برابر، ناک ایک بالشت اور ہاتھ کی انگلیاں بالشت سے بھی لمبی، بات چیت نہ کر سکتا، اس کے نظر کرنے سے حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جاتے، اور کئی بچے مر گئے، بعض آدمی جو اس کے ہاتھ لگے ان کو ہاتھ سے مسل کر مار دیتا۔ اس کو پھانسی دے کر مارا گیا تھا، ابن فضلان کے پہنچنے سے کچھ عرصہ پہلے ہی یہ وقوعہ ہوا تھا، لہٰذا اس کا ڈھانچہ جنگل میں پڑا تھا جو بادشاہ نے خود ابن فضلان کو لے جا کر ملاحظہ کرایا"۔

میرے خیال میں یاجوج ماجوج کے متعلق یہ چشم دید بیان بہت اہم ہے اس بیان کی مولانا سیوہاروی کی قصص القرآن اور ابوالکلام آزاد کی تفسیر میں یاجوج ماجوج کے متعلق تاریخی ارتقاء کے موقف کے تناظر میں جائزہ لینا چاہیئے اور مزید تفسیری و تاریخی لٹریچر کو زیر بحث لانا چاہیئے۔

یہاں اک اور نکتہ بھی قابل غور ہے ''فاضل مترجم اردو نے حاشیہ (ص139) میں جو رائے ''یاجوج ماجوج'' کے بارے میں دی وہ صراحتاً غلطی پر مبنی ہے ''یاجوج ماجوج کا تذکرہ قرآن میں سورہ کہف کی آیت کی روشنی میں نص صریح ہے، دنیائے اسلام میں اس نام سے نزول قرآن کے وقت سے ہی آشنا تھی''۔

''دوسرا اندراج'' بلغار کے پڑوس میں خزر سلطنت جس کی خود بلغار سلطنت اور کئی ریاستیں باج گزار تھیں اور خزر سلطنت کا بادشاہ خاقان کہلاتا تھا اور ترک خاقان کی گویا جگہ اس نے لے لی تھی اس خزر خاقان اور اس کی قوم کا یہودی ہونا ہے۔

میرے خیال میں اس اقتباس کی اہمیت پٹھانوں کے حسب و نسب کے بارے میں مشہور نظریہ پٹھانوں کے یہودی النسل ہونے کے حوالے سے ہے۔ ہو سکتا ہے مزید مطالعہ کرنے والوں کا نقطۂ نظر مجھ سے مختلف ہو۔

لکل وجهة هو موليها

وللناس فيما يعشقون مذاهب

امجد حسین

2 دسمبر 20ء

سفر نامہ ابن فضلان

"رسالۃ احمد بن فضلان"

بلغارستان کے بادشاہ کے دربار میں خلیفۃ المقتدر کے سفیر احمد بن فضلان کی سیاحتِ ممالک اتراک، باشکر، خزرستان اور نارمنوں کے "روس" نامی قبیلہ کے رسم ورواج کے بارے میں دلچسپ مشاہدات

ترجمہ وحواشی

خالد لطیف

ناشر

مطبوعات عصر جدید۔ لاہور

تقسیم کنندگان

تخلیقات

ابن فضلان کا سفر
بخارا تا بلغارستان

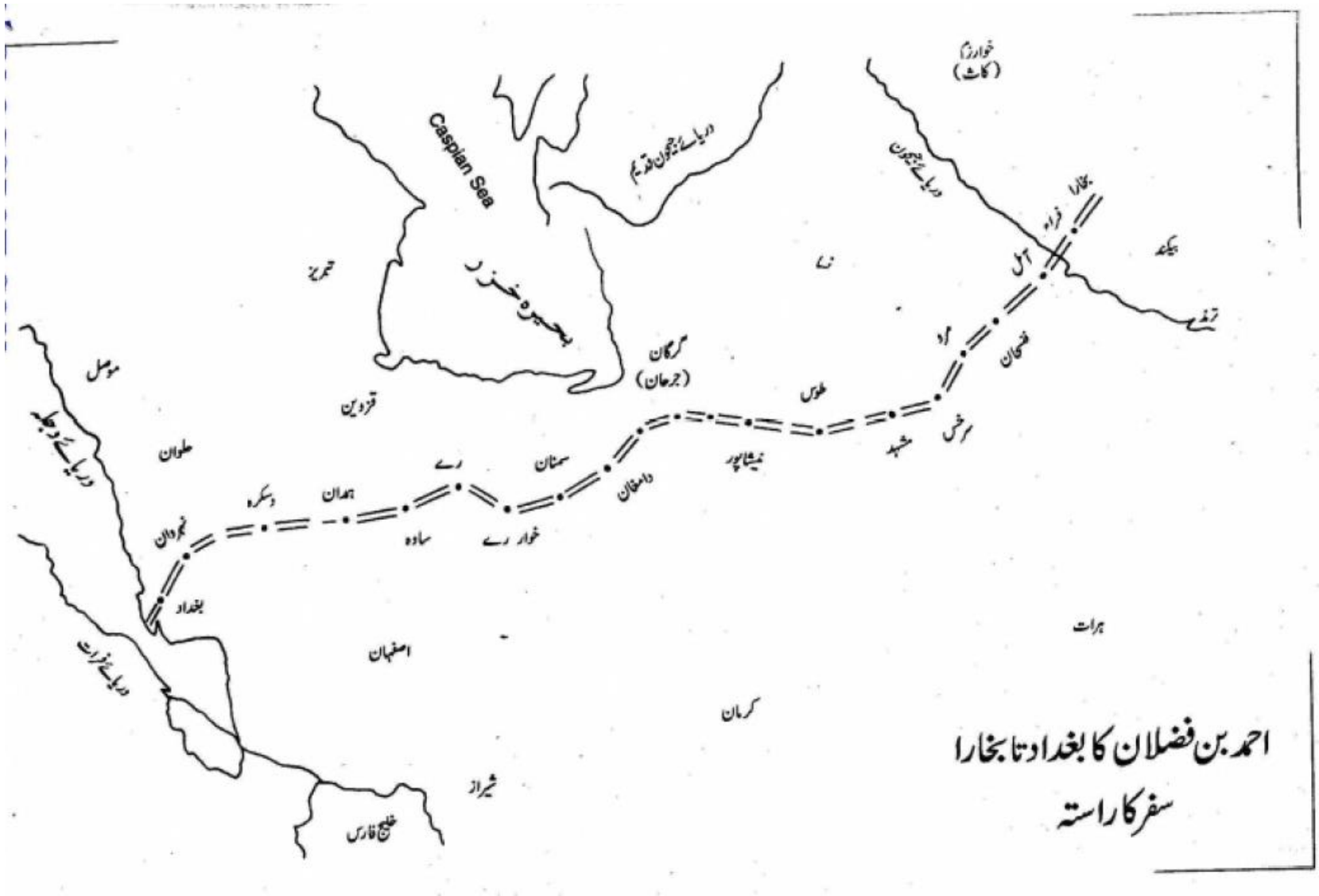

احمد بن فضلان کا بغداد تا بخارا
سفر کا راستہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

احمد بن فضلان کا رسالہ کسی سیاح یا جغرافیہ نگار سفر نامہ نہیں ہے۔اس نے یہ سفر کسی ذوق علمی یا شوق سیاحت میں نہیں کیا تھا۔اس نے یہ سفر خلیفۂ وقت المقتدر کی طرف سے سونپے جانے والے سفارتی فرائض کی بجاآوری میں اختیار کیا تھا۔ہوا یوں تھا کہ بلغارستان کے بادشاہ المش بن یلطوار نے دسویں صدی کی دوسری دہائی میں اسلام قبول کیا تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد اس نے خلیفہ المقتدر سے درخواست کی تھی کہ اس کے پاس ایک ایسے شخص کو بھیجا جائے جو اس کو دینِ اسلام سے اچھی طرح سے آگاہ کرے اور اس کو شریعتِ اسلامیہ کی تعلیم دے۔ نیز یہ کہ اس کے شہر میں مسجد و منبر اور دشمنوں سے بچاؤ کے لئے قلعہ تعمیر کرے۔اس درخواست کے جواب میں خلیفۃ المقتدر نے ایک سفارتی وفد بلغار کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ابنِ فضلان اس وفد میں بطور معلم وفقیہ شامل تھا۔اصل میں سفیر تو کوئی اور صاحب تھے مگر سارا کام ابنِ فضلان ہی نے سرانجام دیا اور سفر سے واپسی پر بغداد پہنچ کر اس سفر کی روائیداد قلم بند کی جس کے کچھ حصے رسالہ ابنِ فضلان کی شکل میں آج بھی موجود ہیں۔

ابنِ فضلان کون تھا؟

اور دربار المقتدر میں اسے کیا حیثیت حاصل تھی؟

اس کے بارے قطعیت سے کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ وہ غیر عرب تھا کیونکہ وہ اس زمانے کے ایک مقتدر اور عباسیوں کے ممتاز جرنیل محمد بن سلیمان کا آزاد کردہ غلام تھا۔اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا خاندان کم از کم چار پشتوں سے مسلمان تھا۔یہ معلوم نہیں کہ وہ افریقی تھا یا عجمی۔ بہر حال وہ ایک پڑھا لکھا، زیرک اور باصلاحیت آدمی تھا جس کی بنا پر اسے سفارتی امور کی انجام دہی کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔

ابنِ فضلان نے اپنے سفر کا آغاز بغداد سے 11 صفر 309ھ مطابق 21 جون 921ء کو کیا اور 12 محرم 310ء (12 مئی 922ء) کو یعنی نو ماہ کے بعد اپنی منزل پر پہنچا۔اس نو ماہ کے عرصہ میں اس نے کئی شہروں میں قیام کیا، کئی علاقوں سے گزرا اور کئی قوموں سے اس کا واسطہ پڑا۔اس کی قوتِ مشاہدہ بڑی تیز تھی۔ چنانچہ اس نے ان علاقوں کے موسم، حکمرانوں اور بادشاہوں کے اطوار اور لوگوں کے رسم و رواج اور بود و باش کے طور و طریقوں کو صفحۂ قرطاس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا۔

ابنِ فضلان نے سفر سے واپس آکر 924 اور 926 کے درمیان اپنے سفر کی روئیداد قلم بند کی۔جیسا کہ اس زمانے کا دستور تھا اس کی تصنیف کی بہت نقول بنی ہوں گی۔ مگر آج کوئی نسخہ بھی اصل کتاب کا موجود نہیں ہے، صرف وہ اقتباسات موجود ہیں جو ابنِ فضلان کے بعد آنے والے جغرافیہ نویسوں نے اپنی کتابوں میں نقل کئے۔سب سے طویل اقتباسات یاقوت حموی کی

کتاب ''معجم البلدان'' میں ملتے ہیں ان میں سے ایک اقتباس ''روس'' کے بارے میں بھی ہے۔اس اقتباس کی وجہ مغربی اہل علم کو ابنِ فضلان میں دلچسپی پیدا ہوئی اور 1814ء میں ڈنمارک کے ایک اہل علم جے۔ایل راسموین (J.L.Rasmussen) نے ڈینش زبان میں اس کا ترجمہ شائع کیا۔ڈاکٹر راسموسین کی دلچسپی کا سبب یہ تھا کہ ابنِ فضلان نے جن روسیوں کا ذکر کیا تھا وہ موجودہ زمانے کے روسی نہیں بلکہ نارمنوں کی ایک شاخ ''روس'' کے لوگ تھے جن کے نام پر گیارہویں صدی میں روس نام کی قوم اور ملک وجود میں آیا۔ڈنمارک ناروے اور سویڈن نارمن قومیں ہیں اور اسی سبب راسموسین نے دسویں صدی کے نارمنوں کے بارے میں ابنِ فضلان کے بیان پر توجہ مبذول کی۔اس کے بعد ایک روسی اہلِ علم سی ۔ایم۔جے فراہن(C.M.J. Fraehn)نے یاقوت حموی کی معجم البلدان میں شامل ابنِ فضلان کے دو دوسرے اقتباسات جو باشکرد اور خزر سے متعلق ہیں ان پر توجہ دی اور 1822ء میں ابنِ فضلان کے بلغاروں کے بارے میں اقتباس کا جرمن زبان میں ترجمہ شائع کیا۔1825ء میں راسموسین نے اپنے مقالے کا ڈینش زبان سے لاطینی زبان میں ترجمہ شائع کیا اور اسی سال کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں بھی شائع ہوا۔

فراہن اور راسموسین کے ترجموں کے قریب قریب ایک سو سال کے بعد 1923ء میں ابنِ فضلان کے رسالے کا ایک نسخہ دریافت ہوا۔جس نے ابنِ فضلان کے بارے میں مغرب کے اہلِ علم کے شوق کو مہمیز دی اور اس کے رسالے کے بارے میں بیسویں صدی کے نقادوں اور محققوں نے نئے سرے سے کام شروع کیا۔ابنِ فضلان کے اس رسالے کی دریافت کا سہرا ایک ترک محقق احمد ذکی ولیدی طوغان کے سر جاتا ہے جو سویت انقلاب کے بعد جمہوریہ باشکریہ کا صدر تھا جس کو سرخ فوج نے حملہ کر کے ختم کر دیا تھا۔ طوغان باشکریہ سے فرار ہو کر ترکستان آگیا تھا جہاں انور پاشا کے ساتھ مل کر کمیونسٹوں کی مزاحمت کی اور ایک لڑائی میں انور پاشا کی شہادت کے بعد وہ استنبول چلا گیا تھا جہاں وہ استنبول یونیورسٹی میں آخر عمر تک تاریخ اور ادبیات پڑھاتا رہا۔

ذکی ولیدی طوغان مشہد کی جامع مسجد علی رضا کے کتاب خانہ آستانِ اقدس میں کسی موضوع پر تحقیق کر رہا تھا کہ اسے ابنِ فضلان کے رسالے کا ایک مخطوطہ ہاتھ لگا یہ اصلی کتاب کا قلمی نسخہ نہیں تھا بلکہ دسویں صدی کے آخری حصے میں کسی نے اصل کتاب سے نقل کیا تھا اور ''قال ابنِ فضلان'' کے الفاظ سے اس کی ابتداء تھی۔طوغان نے اس کا جرمن زبان میں ترجمہ حواشی و تعلیقات کے ساتھ 1939ء میں لیپزگ سے شائع کیا۔اسی سال ایک روسی عالم اے۔پی۔کوالفسکی(A.P. Kovalevski)نے اس کا روسی زبان میں ترجمہ ماسکو سے شائع کیا۔اس کے چند برس بعد معروف شامی دانشور ڈاکٹر سامی الدّھان نے طوغان کے دریافت کردہ مخطوطہ کی یاقوت حموی اور دوسرے عرب اور ایرانی جغرافیہ نگاروں کی کتابوں میں منقول ابنِ فضلان کے رسالہ کے مندرجات کو سامنے رکھ کر تدوین اور حواشی و تعلیقات کے ساتھ 1959ء میں دمشق سے مندرجہ ذیل عنوان کے تحت شائع کیا۔

رسالۃ ابنِ فضلان

احمد بن فضلان بن العباس بن راشد بن حمّاد
فی وصف الرحلة الی بلاد الترك والخزر والروس والصقالبة

سنه 309ھ۔921ء

ابنِ فضلان پر اب تک سارا کام روس، ڈنمارک اور انگلستان میں ہوتا رہا تھا۔ڈاکٹر دھّان پہلے مسلمان عرب عالم ہیں جس نے ابنِ فضلان پر کام کیا اور بڑا مستند کام کیا اہلِ زبان ہونے کے باعث انہوں نے عربی متن کی صحیح تدوین کی۔

سال 1966ء میں ابوالفضل طباطبائی نے ڈاکٹر دھّان کا مدون رسالہ کا فارسی ترجمہ مع حواشی و تعلیقات تہران میں شائع کیا۔اس کی خاص بات یہ ہے کہ طباطبائی صاحب نے اپنے مقدمہ میں عرب و عجم کے ان جغرافیہ نگاروں کے کوائف جمع کر دیئے ہیں جنہوں نے جغرافیہ کے میدان میں کام کیا تھا۔جن معروف و غیر جغرافیہ نویسوں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں ان میں سے چند نام یہ ہیں۔

الخوارزمی ۔ ابن خرداذبه ۔ بلخی
جیهانی ۔ یعقوبی ۔ قُدامه بن جعفر ۔
ابنِ رُسته ۔ اصطخری ۔ ابنِ حوقل ۔
المسعودی ۔ المقدسی ۔ ابودلف

ان کے علاوہ بہت سے ان سیاحوں اور تاجروں کا بھی ذکر کیا ہے جو خشکی یا دریائی یا سمندری راستوں سے بغرض سیاحت یا بسلسلہ تجارت ایران و ہند و چین کا سفر کرتے تھے ان میں دو تاجر سلیمان اور ابوزید حسن سیرانی قابل ذکر ہیں۔ مسعودی نے بسال 303ھ (912ء) میں ابوزید حسن سیرانی سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے اور سیرانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ سلیمان تاجر مشرقی سمندروں میں واقع جزائر کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ یہ جزائر سیلان (سیلون) کے قریب واقع ہیں اور ان کو ''لونگبالوس'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ان جزائر کے مرد و زن برہنہ رہتے ہیں۔فقط عورتیں درخت کے پتوں سے اپنا ستر ڈھانپتی ہیں۔ یہ لوگ ہر وقت کشتیوں میں سوار رہتے ہیں اور عنبر اور ناریل فروخت کرتے ہیں اور معاوضے میں لوہے کی بنی ہوئی اشیاء لیتے ہیں۔ چونکہ ان جزائر کی آب و ہوا ملائم ہے اس لئے انہیں کپڑے پہننے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بحیرہ اندمان میں دو جزیرے اور ایسے ہیں جہاں لوگ برہنہ رہتے ہیں اور یہ لوگ آدم خور ہیں۔

ابوزید سیرانی نے سلیمان تاجر کی معلومات کو چوتھی صدی ہجری میں سلسلہ التواریخ کے نام سے کتابی شکل میں مدوّن کیا۔

تیسری صدی ہجری کا مشہور جغرافیہ نگار ابوالقاسم عبیداللہ بن عبداللہ بن خرداذبہ تھا۔اس کو مسلمان جغرافیہ کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔اس کی مشہور تصنیف ''کتاب المسالک والممالک'' ہے۔ یہ کتاب 223ھ (846ء) میں بغداد میں شائع ہوئی تھی۔اس

کتاب میں علم جغرافیہ اور مختلف ملکوں کے جغرافیہ کے بارے میں معلومات دی گئی ہیں۔ یہ کتاب نہ صرف عباسی دور کی اسلامی سلطنت کا احاطہ کرتی ہے بلکہ اس میں غیر اسلامی دنیا کے علاقائی جغرافیہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔اس میں اس زمانے کے آباد دنیا کے رسل ورسائل اور سفری سہولتوں کا بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اپنی قسم کی بہترین کتاب تھی۔

تیسری صدی کے دوسرے دانشوروں میں ابوزید احمد بن سھل کا نام بھی اہم ہے۔ بلخی 235ھ (850ء) میں بلخ میں پیدا ہوا اور جوانی میں بغداد چلا گیا۔آٹھ سال تحصیل علم میں گزارے۔ حج کیا۔اور پھر واپس بلخ آکر نجوم، فلسفہ اور منطق اور دیگر علوم و فنون کے مطالعہ اور تصنیف وتالیف میں مصروف ہو گیا۔ بلخی کے اپنے زمانے کے ایک اور نامور دانشمند جغرافیہ دان جیہانی امیر بخارا کا کاتب (وزیر) تھا۔ وہ بلخی کو تحفے و تحائف بھیجتا رہتا تھا خاص کر سفید فام کنیزیں۔ لیکن جب بلخی نے ایک ایسا رسالہ لکھا جو جیہانی کے شیعی خیالات سے مطابقت نہیں رکھتا تھا تو دونوں کے تعلقات کی گرم جوشی سرد پڑ گئی اور جیہانی نے جو بلخی کو بخارا آنے کی دعوت دے چکا تھا بخارا بلانے سے احتراز کیا۔

بلخی ایک دانشور تھا وہ مختلف علوم وفنون کی بحرِ ذخّار تھا۔اس کا طرز نگارش فلسفیانہ تھا۔ جغرافیہ میں اس کی کتاب کا نام کہیں ''صور الاقالیم'' کہیں ''اشکال البلاد'' اور کہیں ''تقویم البلدان'' بتایا جاتا ہے۔ شاید اس کا کوئی نسخہ اب موجود نہیں ہے۔ صرف نام باقی رہ گیا ہے۔

تیسری صدی ہجری کے آخر میں ''کتاب البلدان'' نامی کتاب جہاں دانش وادب کے آسمان پر ستارہ بن کی چمکی۔ یہ احمد بن الفقیہ کی تالیف تھی۔اس کتاب کی ضخامت دوہزار صفحوں کی تھی۔ یاقوت نے اپنی کتاب ''معجم البلدان'' میں اس کتاب کو خوب استعمال کیا ہے۔ابن فقیہ کے بارے میں بہت کم معلومات ہیں۔اس کا پورا نام ابو بکر احمد بن محمد بن اسحاق الھمدانی تھا۔ نسلاً عرب تھا اور اپنے زمانے میں ایک فقیہ کی حیثیت سے مشہور تھا۔

ابوعبیداللہ محمد بن احمد بن نصر جیہانی بھی ایک ماہر علم نجوم اور جغرافیہ نگار تھا۔ وہ امیر خراسان کا وزیر تھا۔اس کی کتاب ''المسالک فی معرفۃ الممالک'' میں نجوم و ہندسہ اور اوضاع فلکی اور ہفت اقلیم سے بحث کی گئی ہے۔اس کے علاوہ اس میں سندھ کے عجائب اور ہندوستان کے بتوں، شہروں، مالیات اور خراج، راستوں، پہاڑوں، دشت وصحرا اور دریاؤں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے ۔ یہ کتاب 310ھ سے پہلے کی تصنیف ہے۔

ابن خردزابہ کا معاصر یعقوبی بھی تیسری صدی ہجری کے دانشوروں میں شامل ہے۔اس کا نام ابوالعباس احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح الیعقوبی تھا۔ وہ بغداد میں پیدا ہوا۔اس کا باپ خلیفہ منصور عباسی کے موالیوں میں تھا۔ یعقوبی اپنی کتاب ''البلدان'' کی وجہ سے مشہور ہے۔ وہ جوانی میں بغداد کو چھوڑ کر خراساں اور آرمینیہ کی طرف نکل گیا تھا اور وہاں سے مصر چلا گیا تھا

جہاں طولونی حکومت نے اس کی پذیرائی کی۔اپنی کتاب کے مقدمہ میں وہ لکھتا ہے کہ ''آغاز جوانی سے میری کوشش تھی کہ میں مختلف ملکوں کے بارے میں معلومات حاصل کروں اور مختلف شہروں کا سفر کروں۔میں نے بہت سفر کیا۔بارہا کے سفر کے دوران جس شخص سے بھی ملتا اس سے اس کے وطن،اس کے شہر،اس کے ملک کی زراعت اور عرب وعجم کے ساکنوں کے لباس ،مذہب ، زبان وعادات کے بارے میں دریافت کرتا اور جو وہ کہتے اس کو ضبطِ تحریر میں لے آتا''۔اس طرح سے یعقوبی نے معلومات حاصل کیں اور مشرق ومغرب کی سیاحت کر کے ایک کتاب ''اخبار البلدان'' کے نام سے تالیف کی۔

اس کتاب کے چار حصّے ہیں،پہلا حصہ ایران،ترکستان،افغانستان،خراساں اور سیستان سے متعلق ہے۔دوسرا حصہ مغربی عراق اور جنوبی ومغربی جزیرۂ نما عرب،تیسرا حصہ جنوبی ومشرقی عراق اور مشرقی جزیرۂ نما عرب وچین وہند اور چوتھا حصہ مصر،نوبہ وشمالی افریقہ کے بارے میں ہے

تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی کے اوائل کے دانشمندوں میں ایک نام قُدامہ بن جعفر کا بھی ہے۔اس کا نام ابو الفرج قُدامہ بن جعفر بن قدامہ تھا۔اصلاً وہ عیسائی تھا۔بصرہ کا رہنے والا تھا۔سال پیدائش معلوم نہیں ہے۔خلیفہ المکتفی باللہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔310ھ میں انتقال ہوا۔آخری عمر میں اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز ہوا۔

ابن قُدامہ کو شعر وادب سے بڑا شغف تھا۔اپنی تالیفات میں وہ جابجا اشعار استعمال کرتا ہے۔اس پر یونانی فلسفہ کا بڑا اثر تھا۔ ''کتاب الخراج وصنعت الکتابہ''اس کی معروف کتاب ہے۔اس میں تقسیم بندیٔ ارضی ،وضع خراج اور مختلف ملکوں کے جغرافیائی اوصاف سے متعلق بڑی مفید معلومات دی گئی ہیں۔اس کتاب کے آٹھ حصے تھے مگر اب صرف جلد دوم بعنوان ''کتاب الخراج وصنعت الکتابہ'' کی شکل میں اس کے چار حصے موجود ہیں۔

تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل کے نامور جغرافیہ نگاروں میں ابنِ رُستہ اور اصطخری کے نام ستاروں کی طرح روشن نظر آتے ہیں۔

ابو علی احمد بن عمر بن رُستہ کی تاریخ پیدائش اور ابتدائی زندگی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ اصفہان کا رہنے والا تھا اور سال 290ھ (902ء) میں اپنی تصنیف کی تکمیل تک حجاز میں رہ رہا تھا۔آج اس کی تالیف ''اعلاق النفیسہ'' کی صرف جلد ہفتم موجود ہے۔اس نے مکہ معظّمہ کا سفر کیا اور خانہ کعبہ ،مدینہ منورہ اور اس طرح کے دوسرے مقامات کی جو تاریخی اعتبار سے معروف ہیں زیارت کی۔اس کی کتاب ساری دنیا (ہفت اقلیم) کے دریاؤں سمندروں اور شہروں اور نباتات (گیاہ) اور حیوانات کے بارے میں مفید معلومات درج ہیں اور صقالبہ ،سلاو (Slav) اور یورال اور التائی کے علاقوں میں آباد

دوسرے قبائل کے بارے میں تفصیلی معلومات ہیں۔اس نے 300ھ میں ان علاقوں کا دورہ کیا تھااور لکھا تھا کہ خزروں اور صقالبہ کے علاقوں میں مسلمان بھی پائے جاتے ہیں اوران کی مسجدیں بھی موجود ہیں جہاں وہ نماز پڑھتے ہیں۔

دوسرا بڑا نام ابواسحاق ابراہیم بن محمد فارسی معروف بہ اصطخری کا ہے۔ طبیعی اور اقتصادی جغرافیہ کے بارے میں اس کی کتاب " المسالك والممالك" بہت مشہور ہے۔اس نے یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی تھی جس کو اس نے بعد میں عربی میں منتقل کیا۔

اصطخری چوتھی صدی ہجری کے دیگر جغرافیہ نگاروں کی طرح کشور اسلامی کو بیس جغرافیائی اقالیم میں تقسیم کرتا ہے اور دنیا کے آباد خطوں، دریاؤں، مختلف ملکوں کی مساحت (پیمائش اراضی)، جزیرۂ نما عرب، بشمول بحر ہند، مغرب بشمول اندلس و جزیرۂ سسلی، مصر و شام، بحیرہ روم، الجزیرہ، عراق، ایران جنوبی، وسطی اور شمالی آرمینیہ اور بحیرہ خزر اور ہندوستان پر الگ الگ بحث کرتا ہے۔رابطے کے راستوں، پیمائش اراضی، تجارتی محصولات اور مختلف صنعتوں، ان کی نسلوں اور مذاہب کی توضیح کرتا ہے۔اصطخری کی بیشتر معلومات اس کے اپنے مشاہدات اور تحقیقات پر مبنی ہیں۔ صقالبہ اور خزر قبائل کے بارے میں اس کی اطلاعات اگرچہ مختصر ہیں مگر بے وقعت نہیں ہیں۔

اصطخری کے ہم عصر ابوالقاسم بن محمد بن حوقل جو اپنے آپ کو موصلی (موصل کا رہنے والا) بتاتا ہے 331ھ (943ء) میں بسلسلہ تجارت بغداد گیا۔اس نے شمالی افریقہ، اندلس، عراق ایران اور ہندوستان کے بعض حصّوں کی سیاحت کی اور 340ھ میں اس نے اصطخری سے ملاقات کی اور اس کی درخواست پر اصطخری کے بنائے ہوئے نقشوں کی اصلاح کی اور اس کی کتاب میں ترمیم اور بتدیلی کی۔ لیکن بعدازاں اس نے فیصلہ کیا کہ اس کتاب کو وہ خود دوبارہ لکھے گا۔ چنانچہ نسخے کی تکمیل کے بعد اس کو بعنوان "المسالك والممالك" اپنے نام سے شائع کیا مگر وہ "صوت الارض" کے نام سے مشہور ہوئی۔

ابنِ حوقل اس کتاب کے بارے میں خود لکھتا ہے کہ "جس چیز نے مجھے یہ کتاب لکھنے کی ترغیب دی وہ یہ تھی کہ ایّام جوانی میں میری خواہش تھی کہ میں مختلف ملکوں کی سیاحت اور ان ملکوں اور ان ملکوں کے لوگوں کے بارے میں معلومات جمع کروں اور تجارت کے ذریعہ دولت کماؤں"۔ چنانچہ اس نے اپنے پیشتر سیاحوں اور جغرافیہ نگاروں خاص کر ابنِ خرداذبہ اور الجیھانی کی کتابوں اور ابو الفرج قدامہ بن جعفر کے تذکرہ کا خوب مطالعہ کیا۔

ابن حوقل کچھ عرصہ اندلس میں بھی رہا۔اور وہاں کے سیاسی اجتماعی اور اقتصادی طور طریقوں اور معاملات پر روشنی ڈالی اور سفید فام غلاموں کی تجارت سے بحث کی۔ شہر الزھرا کی زیبائی وخوبصورتی اور "الرصافہ" کی شان وشکوہ کی تعریف کی۔

سال 342ھ میں وہ جزیرۂ سسلی کے شہر ''پالرم''گیا۔اس کے بارے میں وہ لکھتاہے''پالرم سسلی کا سب سے بڑا شہر ہے۔اس شہر کے لوگ پیاز زیادہ کھاتے ہیں اوراس وجہ سے ان کا دماغ خراب رہتاہے۔اہالیانِ سسلی نادان ترین اوراحمق ترین لوگوں میں اخلاقی فضائل کا فقدان ہے مگر رذائل میں حریص ہیں''۔اس کا سال وفات 350ھ(961ء)بتایاجاتاہے۔

چوتھی صدی ہجری کے نصف اول کا سب سے بڑادانشمند مورخ،جغرافیہ نگاراور سیاح ابوالحسن علی بن الحسین ابنِ علی المسعودی ہے ۔ اس نے زیادہ ترکتابیں علمِ تاریخ اور مختلف علوم کے بارے میں لکھیں۔وہ بغداد کا رہنے والا تھااور وہیں اس کی پرورش ہوئی۔اس نے طلب علم میں مصراور دوردراز کے ملکوں کا سفر کیا۔سن 309ھ سے 332ھ کے درمیان اس نے فارس، کرمان، اصطخر، ہند، مولتان(ملتان)،منصورہ،چمپا،سیمور،سراندیپ،چین،جزیرۂ مڈغاسکر،آذربائیجان،جرجان،شام،فلسطین اور انتاکیہ (انطاکیہ)کی سیاحت کی اور سیاحت کا زمانہ کسب علوم وتحقیقات میں صرف کیااور تاریخ اور جغرافیہ کے بارے میں معلومات جمع کیں۔

شمس الدین ابوعبداللہ عمر بن احمد بن ابی بکر البنا الشامی جو مقدسی کے نام سے معروف ہے سال 355ھ(946ء)میں بیت المقدس میں پیدا ہوا۔یہ عظیم جغرافیہ نگاروں کے سلسلے کا آخری نمائندہ تھا۔اصطخری اور ابنِ حوقل کی طرح اس نے بھی ملکوں ملکوں کی سیاحت کی ۔وہ خود لکھتا ہے کہ ''میں نے اسلامی ملکوں کا سفر کیا۔ان ملکوں کے اہلِ علم سے ملاقاتیں کیں اوران ملکوں کے بادشاہوں کی خدمت کی،اہل قضاۃ اور فقہا سے درس لیا،ادباءاور قراء سے میل ملاقاتیں کیں،مسجدوں میں منبر سے خطبہ دیااور مسجد کے میناروں سے آذان دی،کوہ دشت میں گھوما پھرا،خطرناک دریاؤں میں غوطہ زنی کی،زندانوں میں وقت گزارا،کار تجارت میں وقت صرف کیا،داستان گویوں کے پاس بیٹھا،ہر طرح کے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھااور ہر جگہ کے لوگوں کے مذہب، زبان، نسل، اخلاقِ اجتماعی،مالی لین دین کے طریقوں اور خراج کی وصولی کے بارے میں جو کچھ معلومات حاصل ہوئیں ان کو صحیح صحیح لکھ دیا۔اس راہ میں بہت رنج ملا،سختی غربت اور ذلت برداشت کرناپڑی۔میں نے کوشش کی ہے کہ میں نے جو کچھ دیکھاہے یاجن اشخاص سے جو کچھ سناہے اس کے خلاف کوئی بات رقم نہ کروں''۔

ایک اور جگہ لکھتاہے''کتاب کے مطالعہ کو تین قسموں میں تقسیم کیاہے۔اول وہ جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ دوئم وہ جو کچھ میں نے معتبر لوگوں سے سناہے اور سوئم ان باتوں کی نقل جو دوسروں نے لکھاہے۔کوئی ایساشاہی کتب خانہ نہیں جو میں نے نہ دیکھاہواور کوئی ایسامذہب اور ایسی ملت نہیں جس کو میں جانتانہ ہوں۔میں پارساؤں اوراہلِ ذکر کی صحبت میں رہاہوں اوران سے معلومات حاصل کی ہیں''۔

اسی دور یعنی چوتھی صدی کے نصف اول کا ایک اور ممتاز جغرافیہ نگار ابودلف مسعربن المهلهل الخزرجی الینبوعی ہے۔اس کی تاریخ پیدائش یاوفات معلوم نہیں۔وہ 331ھ میں بخارامیں موجود تھا۔''الرسالہ الثانیہ'' کے عنوان سے اس کی دو کتابیں ہیں۔ان میں سے پہلی کتاب یعنی ''الرسالۃ الاولیٰ''میں ابودلف نے وسطی ایشیا کے ترک قبائل،چین اور ہندوستان کے سفر کا ذکر کیا ہے۔سال 331ھ (943ء)میں اس نے بخارا کے سامانی بادشاہ نصر بن احمد کی طرف سے چین کے بادشاہ کی دختر کا رشتہ لینے کے لئے چین کا سفر اختیار کیا تھا۔کچھ عرصہ چین میں قیام کیااور وہاں سے ہندوستان کی سیاحت کرتاہوا بخارا واپس آیااور اپنے مشاہدات اور معلومات کو اس کتاب میں جمع کر دیا۔

دوسری کتاب ایران کے شہروں،راستوں پہاڑوں،دریاؤں،پلوں،تاریخی عمارتوں ،مختلف معدنیات،دستکاریوں، محصولات اور قبائل کے بارے میں عام سادہ مگر مفید معلومات پر مشتمل ہے۔وہ شاعر اور ادیب تھا،اس نے اپنی زندگی ہنسی خوشی گزاری اگرچہ اس کو جہاں گردی اور سیاحت میں بڑی مشکلات کا سامنا پڑا۔

ابنِ فضلان انہیں جغرافیہ نگاروں کے درجہ کا آدمی ہے مگر اس نے سفر شوق سیاحت میں نہیں بلکہ ایک سفارتی فرض کی بجاآوری کے لئے کیا۔لیکن جغرافیہ نگاروں کی طرح ترکوں کے مختلف قبیلوں مثلاًاوغوز یاغزّ،پچناگ اور باشکرد اور بلغاریوں،روسیوں اور خزروں کے رسم ورواج عادات واطوار،رہن سہن کے طریقوں اور مذہبی اعتقادات اور ان ملکوں کے موسمی حالات کے بارے میں معلومات کا ایک بے بہا خزانہ آنے والوں کے لئے چھوڑ گیااور مذکورہ علاقوں کی تاریخ کے لئے معتبر حوالہ بن گیا۔

1979ءمیں ڈاکٹر الدھان کے تدوین کردہ نسخہ کا انگریزی زبان میں ترجمہ وحواشی وتعلیقات کے ساتھ جیمس۔ای۔ میکیتھن James E. Mekeithen نے کیا۔جس پر امریکہ کی انڈیانا یونیورسٹی نے اس کو پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری عطا کی ۔ میکیتھن کا یہ مقالہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے۔اس مقالہ کی نقل برخودار ڈاکٹر ادیب خالد نے جو کارلٹن کالج نارتھ فیلڈ سینٹ پال منیسوٹا امریکہ میں وسطی ایشیائی ملکوں کی تاریخ پڑھاتے ہیں یو۔ایم۔آئی ڈیسرٹیشن سروس،این آربر،مشی گن (امریکہ)سے حاصل کر کے مجھے پہنچائی جس کے لئے میں ادیب خالد اور ڈاکٹر میکیتھن کا شکر گزار ہوں۔ڈاکٹر الدھان کا تدوین کردہ رسالہ ابنِ فضلان جو مطبوعات المجمع العربی،دمشق نے 1959ء میں شائع کیا تھا اس کا نسخہ میگل یونیورسٹی مانٹریال (کنیڈا)کے ادارۂ علوم اسلامی (Institute of Islamic Studies)میں دیکھا اور اس کی فوٹو کاپی حاصل کی۔اسی لائبریری میں طباطبائی کا ترجمہ بعنوان ''سفر نامہ ابنِ فضلان'' کے نسخے کی فوٹو کاپی حاصل کی اور یہیں سے احمد ذکی ولیدی کے دریافت کردہ مخطوطہ کے عکس کی فوٹو کاپی ملی جس کے لئے میں ادارۂ علوم اسلامی میگل یونیورسٹی کا ممنون ہوں۔

اس سفر نامے کو اردو کے قالب میں ڈہالنے کے لئے ڈاکٹر میکیتھن کے انگریزی ترجمے دونوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔اسماء اور مقامات کے نام الدھان کے مدون رسالے سے لئے گئے ہیں۔دریاؤں قدیم ناموں کی جگہ موجودہ ناموں کے لئے پروفیسر آر۔ این۔ فرے (R.N. Frye)اور پروفیسر آر۔بی۔بلیک(R.B. Black)کے مشترکہ مقالے بعنوان(Notes (1949 on the Risala of Ibn-Fadlan'بلغار اور خزر کے بارے میں معلومات بی۔پی۔گولڈین(B.P. Golden)کی کتاب An Introduction to the History of Turkish People (1992)غز'پچناگ اور باشکرد ترکوں سے متعلق چوتھی صدی ہجری کے نامعلوم مولف کی تالیف بعنوان ''حدود العالم''سے جس کو معروف مستشرق وی مینورسکی(V. Minorsky)نے انگریزی میں ترجمہ حواشی اور تعلیقات کے ساتھ 1932ء میں شائع کیا تھا'سکوں سے متعلق مواد وی۔ بار تھولڈ کی کتاب .Turkestan Down to the Mongol Invasion(London-1928)خلیفہ المقتدر اور اس کے دورِ حکومت کے حالات کے سلسلے میں شاہ معین الدین احمد ندوی کی تاریخ اسلام'خلافت عباسیہ جلد اول شائع کردہ پریس اعظم گڑھ(1949)اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام سے استفادہ کیا گیا ہے۔

یہ بات ذہن میں یاد رہنی چاہئے کہ یہ رسالہ ابنِ فضلان کا اصل رسالہ نہیں اور نہ یہ اس کی اصل نقل ہے۔جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے مختلف ادوار میں مختلف افراد نے اس کے اقتباسات اپنی کتابوں میں نقل کئے تھے اور کچھ اقتباسات ایسے ہیں جو لوگوں نے اپنے طور پر نقل کئے ہوں گے۔جس مخطوطہ کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے وہ بھی غالباً کسی شخص کا نقل کردہ ہے۔جس پر نہ کوئی تاریخ لکھی ہے اور نہ مقام کا نام درج ہے۔اور نہ کاتب کا نام ہے۔اگر کہیں تشنگی کا احساس یا کہیں کوئی جھول نظر آئے تو سمجھنا چاہئے کہ اس کا ذمہ دار ابنِ فضلان نہیں بلکہ وہ شخص اس کا ذمہ دار ہے جس نے یہ رسالہ نقل کیا ہوگا۔ویسے جتنا بھی مواد اس میں موجود ہے وہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔اس سے اُس زمانے کے ترکوں'بلغاروں روسیوں اور خزروں کی اقتصادی اور معاشرتی حالت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے ۔ اس نے اپنے زمانے کی تاریخ کو آنے والی نسلوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

رسالہ ابنِ فضلان کے تراجم روسی، جرمن،انگریزی اور ڈینش زبانوں میں بہت پہلے شائع ہو چکے تھے۔1988ء میں ماریو کونرڈ (Marius Conard)نے Voyage chez les bulgares de la Volga کے نام سے ترجمہ کیا جس کو سند باد Sindbad پبلیشرز نے 1988ء میں پیرس سے شائع کیا۔اس کے علاوہ 1985ء ہی میں جزا فخر نے Bulgar Turkish Tarihi کے نام سے بلغاری ترکوں کی تاریخ لکھی جس کو Turk Tarih Kurumu Basimeri نامی پبلشنگ ہاؤس نے 1988ء میں استنبول میں شائع کیا۔

دیباچہ

آٹھویں اور دسویں صدی عیسوی کے درمیان براعظم یورپ کے انتہائی مشرقی خطے میں جو کوہِ یورال کے مغرب میں واقع ہے اور آج کل روسی وفاق میں شامل ہے اور جہاں تاتارستان اور باشکردستان کی خود مختار جمہوریتیں قائم ہیں بلغار نامی قوم آباد تھی۔ عرب اس کو صقالبہ اور سلاو(slav) بھی کہتے تھے۔ بلغاریہ کے پڑوس میں خزر نامی قوم آباد تھی جو تعداد میں بلغاروں سے بڑی تھی اور حکومت موجود قفقاز، داغستان اور چیچانستان اور ان کے شمال میں دریائے اتل (والگا) کی وادی کے زیرین حصے سے لے کر بحر اسود تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ دونوں قومیں ترکوں کے مغربی اتحاد (سلطنت) کے کمزور پڑ جانے اور بالآخر آٹھویں صدی کے وسط میں مکمل ٹوٹ جانے کے نتیجے میں اُبھر کر سامنے آئی تھیں۔

صقالبہ یا بلغار وسطی والگا کے خطے میں کب آئے اس کا صحیح طور پر تعین نہیں کیا جاسکتا۔ قیاس ہے کہ یہ لوگ ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں اس وقت یہاں آئے جب خزر قوم نے انہیں بحیرہ اسود کے علاقے سے بے دخل کیا تھا۔ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ لوگ آٹھویں صدی کے آخر یا نویں صدی کے اوائل میں یہاں آئے تھے۔ سیاسی اور فوجی اعتبار سے بلغار اتحاد ابتدا میں اس خطے کی سب سے ترقی یافتہ مملکت تھی جو شمال میں دریائے کاما اور شاید ویانکا ویٹلوگا اور والگا تک، جنوب میں دریائے یورال اور مشرق میں دریائے بیلا تک جا پھیلی ہوئی تھی۔

صقالبہ (بلغار) کے ہمسایوں میں خزر کے علاوہ باشکرد پچناگ، اوغوز (غزّ) اور قیچاق شامل تھے۔ خزر ان میں سب سے طاقتور تھے۔ خزر خاقان نے اس علاقے میں ایک طرح سے ترک خاقان کی جگہ لے لی تھی اور اپنے پڑوس کی چھوٹی چھوٹی اقوام سے خراج وصول کرتا تھا۔ صقالبہ بھی ان اقوام میں شامل تھے کو خزر خاقان کے باج گزار تھے۔ ان کے درمیان اکثر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس جنگ وجدل کی بڑی وجہ وہ تجارت تھی جو اس علاقے سے ہو کر گزرتی تھی۔ بلغاروں کے شمال میں نارمنوں کے ایک روس نامی قبیلے کے لوگوں کا قبضہ تھا جو انتہائی شمالی علاقوں کا مال لے کر آتے تھے اور بلغار علاقے میں بلغاروں کے ذریعہ عرب تاجروں کو فروخت

کرتے تھے اور عرب تاجر چین اور وسطی ایشیا اور دیگر اسلامی ملکوں کا مال بلغاروں کے توسط سے نارمنوں کو بیچتے جو اس مال کو شمالی اور مغربی یورپ کے ملکوں تک پہنچاتے تھے۔ مشرق و مغرب اور جنوب و شمال کے درمیان ہونے والی اس چہار جہتی تجارت میں عرب تاجر جو اشیاء فروخت کرتے تھے ان میں سے چند یہ تھیں۔

سوتی پارچہ جات، ریشمی پارچہ جات، اونی کپڑا اور کمبل، کمایا ہوا چمڑہ، صابن، فرش پر بچھانے کی دریاں، پیتل کے چراغ، گھوڑے کی زین کو کسنے والی پیٹی، موسم سرما میں استعمال کا لبادہ اور دیگر اونی ملبوسات، خشک میوہ جات جیسے بادام اور کشمش، تل، تالے، کمان، تانبے کے برتن، چینی کے ظروف، کاغذ، چین کا ریشم۔

ان اور ان جیسی دیگر اشیاء کے بدلے میں وہ بالعموم مندرجہ ذیل اشیاء خریدتے تھے:

سیبل کی کھالیں[1]، گلہری کی کھالیں[2]، قاقم یا سنجاب کا سمور[3]، راسو کی کھالیں[4]، اودھ بلاؤ کی کھالیں[5]، خرگوش کی کھالیں، سمور کی بنی ٹوپیاں، بکری اور گھوڑے کی کھالیں، دندان ماھی، جند بیدستر[6]، عنبر زرد، شمالی علاقوں کی لکڑی، مویشی خاص کر بھیڑیں، سب سے اہم سفید فام غلام اور کنیزیں جو نارمن لوٹ مار کر کے لوگوں کو پکڑ کر لاتے تھے اور بلغاروں کے ذریعہ عربوں کو فروخت کرتے تھے، تیر، تلوار، زرہ بکتر، موم، شہد، فندق کی گری[7] اس زمانے میں یہ بڑی منافع بخش تجارت تھی اور عربوں، خاص

---

1 سبیل ایک گوشت خور میمل جو ایشیا اور یورپ کے انتہائی شمالی علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی کھال پر سیاہ چمکدار بال ہوتے ہیں۔ اس سے کوٹ اور دیگر پوشاکیں خاص کر عورتوں کے ملبوسات بنائے جاتے ہیں۔ سیبل کا سمور بہت قیمتی ہوتا ہے۔

2 گلھری۔ یوں تو گلہری گرم ممالک میں بھی ہوتی ہے مگر انتہائی سرد علاقوں میں پائی جانے والی گلہری نہ صرف قد میں بڑی ہوتی ہے بلکہ اس کا سمور بھی زیادہ نرم اور گرم ہوتا ہے۔

3 قاقم یا سنجاب۔ نیولے کی قسم کا ایک چھوٹا سا جانور جو شمالی منطقے میں پایا جاتا ہے۔ یہ بھی دودھ پلانے والا (میمل) جانور ہے۔ اس کا سمور سفید اور دم سیاہ رنگ کی ہوتی ہے۔ طبقہ امراء کے لوگ اپنی شان و شکوت بڑھانے کے لئے اپنے چوغوں اور کوٹ کے کالر پر سنجاب کی جھالر لگاتے ہیں۔ سنجاب کی کھال بہت قیمتی ہوتی ہے میر تقی میر کا شعر ہے:

منعم کے پاس قاقم سنجاب تھا تو کیا　　اس رند کی بھی رات کٹی جو کہ طور تھا

4 راسو۔ نیولے کی نسل کی ایک گچھے دار دم والا میمل (دودھ پلانے والا) جانور۔ اسکی کھال سیاہی مائل بھورے رنگ کی ہوتی ہے۔ یہ جانور بھی شمالی منطقے کے جنگلات میں پایا جاتا ہے۔ اسکی کھال بھی بڑی قیمتی ہوتی ہے۔

5 اودبلاؤ۔ یہ بھی شمالی منطقے کے ملکوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کو سگِ آبی بھی کہتے ہیں۔ اس کی پشم بھی قیمتی ہوتی ہے اور بالعموم عورتوں کے ملبوسات کی تیاری میں استعمال ہوتی ہے۔

6 جندبیدستر۔ ایک تیز بو بدبودار مادہ جو اودبلاؤ کے مخصوص غدودوں سے نکلتا ہے اور ادویات اور خشبویات سازی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بھی بڑی قیمتی شے ہوتی ہے۔

7 فندق۔ ہیزل کی گری۔ ہیزل ایک چھوٹا سا درخت ہوتا ہے۔ اس کا پھل بادامی سُرخی مائل گری دار میوہ ہوتا ہے جس کو بُھون کر کھایا جاتا ہے۔ یہ درخت ایشیا اور یورپ کے علاوہ امریکہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کو یورپی اخروٹ بھی کہا جاتا ہے۔

کر خوارزم میں آباد عربوں کا اس تجارت پر قبضہ تھا۔ خزر علاقے کی ایک بڑی طاقت ہونے کے سبب اس تجارت میں اپنا حصہ مانگتے تھے اور اس لئے اکثر بلغاروں کی ان کے ساتھ جنگ ہو جاتی تھی۔ بعض اوقات نارمن بھی اس جنگ میں شریک ہو جاتے تھے۔ اور کبھی بازنطینی حکومت بھی اپنے مفادات کی خاطر خزروں کے ساتھ جنگ میں اُلجھ جاتی تھی۔

پہلی صدی ہجری میں عراق اور ایران میں کامیابیوں کے بعد جب مسلمانوں نے قفقاز کے علاقے آرمینیہ اور آذربائیجان کے علاقوں کو فتح کیا تو خزر جو شمالی قفقاز سے لے کر بحیرہ اسود تک پھیلے ہوئے تھے عربوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے آگے بڑھے اور 104ھ (722ء) میں انہوں نے آذربائیجان پر حملہ کر دیا عربوں نے یہ حملہ پسپا کر دیا۔ چند برس خاموشی رہی مگر پھر انہوں نے 112ھ (730ء) میں دوبارہ حملہ کیا اور اس زور سے کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے بلکہ جزیرہ (دریائے دجلہ اور فرات کا درمیانی خطہ) کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا۔ اگلے کئی برسوں تک خزر مسلمانوں کے ممالک محروسہ کے لئے خطرہ بنے رہے تاآنکہ اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے چچازاد مروان بن محمد[1] نے خزروں کے خلاف کاروائی کی۔ وہ خزر کے علاقے میں پیش قدمی کرتا ہوا اتل تک پہنچ گیا جو دریائے والگا کے کنارے واقع تھا اور جہاں خزر خاقان رہتا تھا۔ مروان نے خاقان کو شکست دی اور خزروں کا زور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے توڑ دیا۔ پھر اس کو اسلام کی دعوت دی۔ خاقان مسلمان ہو گیا۔ مگر مسلمان فوج کے جاتے ہی مرتد ہو گیا۔ مروان نے ماورائے قفقاز اور زیریں والگا کے علاقے میں کوئی بیس ہزار مسلمانوں کو آباد کیا۔ چنانچہ مشہور جغرافیہ دان ابنِ رُستہ کے مطابق جس نے سن 300ھ (912ء) میں اس علاقے کا دورہ کیا تھا یہاں مساجد موجود تھیں، بہر حال قفقاز کے بڑے حصے پر باب الابواب تک جسے دربند یا دربند خزرا بھی کہا جاتا ہے مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔ آج بھی یہ علاقے مسلمان علاقے کہلاتے ہیں۔

خزروں کی شکست کے بعد اگرچہ عربوں کے ساتھ ان کے تعلقات قطعی طور پر دوستانہ تو نہ ہوئے لیکن ان میں وہ دشمنی بھی نہ رہی جو شکست سے پہلے تھی۔ عربوں نے خزروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی اور 760ء میں آرمینیہ کے والی نے خزرستان کی ایک شہزادی سے جس کا نام ''خاتون'' بتایا جاتا ہے شادی کی۔ اس شہزادی کی موت کے بعد تعلقات بہتر ہونے کی بجائے اور خراب ہو گئے۔

---

[1] مروان بن محمد 127ھ میں خلیفہ بنا۔ اس نے 132ھ تک حکومت کی۔ وہ بنوامیہ کا آخری حکمران تھا۔ بنوامیہ کے خلاف آلِ علی اور آلِ عباس کے خروج کے نتیجے میں ہونے والی جنگ میں اسے شکست ہوئی اور 2 شکست ہوئی 62 سال کی عمر میں آل علی کے حامیوں نے اسے قتل کر دیا تھا۔ اور اسی کے مشرق میں بنوامیہ کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا جبکہ اسی خاندان کے ایک شہزادے عبدالرحمٰن نے مغرب میں بنوامیہ کی خلافت کا آغاز کیا۔

آٹھویں صدی میں خزروں کی تجارت میں دلچسپی بڑھ جانے کے باعث عربوں کے ساتھ چشمک قریب قریب ختم ہو گئی جبکہ بلغاروں نارمنوں اور رومیوں کے ساتھ تجارت میں حصہ داری کے مسئلہ پر جنگ وجدال کا سلسلہ بڑھ گیا۔ خاص طور پر بلغاروں کے ساتھ کہ وہ ان کے مقابلے میں آبادی میں کم اور طاقت میں کمزور تھے۔

سنہ 737 میں ترکوں اور 751ء میں ترکوں اور چینوں کی مشترکہ فوجی طاقت کو ''تلاش'' کے مقام پر شکست فاش دینے کے بعد مغربی ترکستان میں مسلمانوں کا اقتدار مستحکم ہو گیا اور معمولی شورشوں کے سوا کوئی بڑا خطرہ باقی نہ رہا تو مسلمانوں بالخصوص عربوں کی توجہ تجارت پر مرکوز ہو گئی۔ خوارزم میں جرجانیہ کا شہر ایک بہت بڑا تجارتی مرکز بن کر اُبھرا۔ چین اور دیگر مشرقی ممالک سے یورپ کو جانے والا تجارتی قافلہ سو دو سو نہیں چار چار پانچ پانچ ہزار اونٹوں پر مشتمل ہوتا تھا جن پر وسطی ایشیاء اور دیگر اسلامی ملکوں کا بنا ہوا سامان اور چین کا ریشم لدا ہوتا تھا۔ عرب تاجر یہ مال تجارت بلغاروں کے ذریعے شمالی یورپ سے آنے والے تاجروں کو جو بالعموم وائیکنگ یا نارمن تھے بیچتے تھے۔ بلغار لوگ بالعموم تجارت پیشہ تھے اگرچہ وہ زراعت سے بھی نابلد نہیں تھے۔ رفتہ رفتہ عربوں کا بلغار لوگوں کے ساتھ ربط ضبط بڑھتا گیا اور آپس کے میل جول کے باعث بلغاروں میں عربوں کے دین سے آگاہی حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہونا غیر فطری بات نہیں تھی۔ بلغار بادشاہ ٹیکس وصول کرنے چونکہ کارواں والوں کے پاس خود چل کر جاتا تھا اس لئے عام عرب تاجروں کے ساتھ کا اس کا براہ راست تعلق پیدا ہو گیا اور امکان ہے کہ اس نے بھی عربوں کے مذہب اور طرزِ حیات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی ہو گی۔ چنانچہ شاہ بلغار کو اسلام اور وحدانیت سے روشناس کرنے کی غرض سے خلیفہ المامون نے ''اسلام اور وحدانیت سے متعلق شاہ بلغار کے سوالات کے جواب'' نام کتاب (رسالہ) تصنیف کیا تھا۔ (المامون کی خلافت کا زمانہ 813 تا 833ء ہے) یہ زمانہ تھا جب قسطنطنیہ کی بازنطینی حکومت ریاستی حکمت عملی کے طور پر غیر عیسائی ملکوں کو عیسائی بنانے کی غرض سے ان کے بادشاہوں اور سرداروں کو عیسائیت کی دعوت دیتی رہتی تھی۔ بلغاروں اور خزروں اور دوسری قوموں کو بھی دعوت دی جاتی تھی۔ مگر عیسائی مشنریوں کا ابھی اتنا زور نہیں ہوا تھا اور صرف سرکاری کارندے ہی اس کی تبلیغ کرتے تھے۔ دوسری طرف عرب تاجر لین دین میں ایمانداری میں لوگوں کے ساتھ میل ملاپ میں خلوص اور حسنِ سلوک کے باعث بلغاروں اور دوسرے قبیلوں کو متاثر کر رہے تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ بلغار بادشاہ بیمار پڑ گیا۔ مقامی حکیموں نے علاج کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ ایک عرب تاجر نے جو حکیم بھی تھا بادشاہ کا علاج کیا اور اس کے علاج سے بادشاہ صحت یاب ہو گیا۔ بادشاہ عرب تاجروں کے علاج، اس کے سلوک، اس کی ہمدردی اور دیگر انسانی اوصاف سے بہت متاثر ہوا اور اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مطابق یعقوب بن نعمان البغری نے جس نے بلغار قوم کی تاریخ لکھی ہے اس عرب تاجر کا نام ''بلار'' یا ''بُلار'' بتایا ہے۔

مسلمان ہونے کے بعد بادشاہ المش بن یلطوار ایک چھوٹی سی ریاست سے نکل کر ایک عالمی جماعت میں شامل ہو گیا۔

بلغار عرصہ دراز سے خزر بالادستی سے چھٹکارا پانے اور خزر خاقان کی غلامی کا جوا اتار پھینکنے کی کوشش میں تھے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے جس کے باعث دونوں میں جنگ ہوتی رہتی تھی اور چونکہ خزر زیادہ طاقتور تھے اس لئے شکست بالعموم بلغاروں کا مقدر ہوتی تھی۔ خاقان کو خراج ادا کرنے کے علاوہ شاہ صقالبہ اپنے بیٹے یا بیٹوں کو بطور یرغمال خاقان کے پاس رکھنے اور اپنی ایک بیٹی کو اس کی زوجیت میں دینے پر مجبور تھا۔ خاقان اس کی ایک بیٹی کو زبردستی اٹھا کر بھی لے گیا تھا جہاں اس مسلمان شہزادی نے خودکشی کر لی تھی۔ اس نے دوسری بیٹی کا رشتہ مانگا تو بادشاہ نے اس ڈر کے مارے کہ کہیں خاقان اس کو بھی اُٹھا کر نہ لے جائے اپنی چھوٹی بیٹی کو اپنے ایک باج گزار بادشاہ سے بیاہ دیا۔

یہ تھے وہ حالات جن میں بلغار بادشاہ نے اسلام قبول کرنے بعد دربار خلافت سے مدد حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس وقت بغداد میں خلیفہ ابوالفضل جعفر بن معتضد الملقب بہ مقتدر باللہ کی حکومت تھی جو آلِ عباس کا اٹھارواں حکمران تھا۔ اس زمانے میں ترکوں کا عمل دخل اس قدر بڑھ چکا تھا کہ وہ خلیفہ کو تگنی کا ناچ ناچاتے رہتے تھے۔ جب چاہتے خلیفہ کو معزول کر دیتے اور جس کو چاہتے خلیفہ بنا دیتے۔ خلیفہ ان کے ہاتھوں بے بس تھا۔ سلطنت میں ہر طرف سورشیں اور فتنہ برپا تھا۔ خراساں، طبرستان، آذر بائیجان، آرمینیہ شام اور مصر ہر جگہ والی (گورنر) ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ بات بات پر صوبوں کے والی ایک دوسرے سے لڑ پڑتے تھے۔ ہر کوئی خلیفہ سے اپنی بات زبردستی منوا کر اپنے مخالف کو اپنے راستے سے ہٹا دیتا تھا اور اگر خلیفہ اس کے مشورہ پر عمل نہ کرتا تو خود فوج لے کر اپنے مخالف پر چڑھ دوڑتا تھا۔ ملک میں افراتفری مچی ہوئی تھی۔ طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ البتہ ہر والی اپنے عمل کو جائز بنانے کے لئے خلیفہ سے منظوری لینا ضروری سمجھتا تھا کیونکہ خلیفہ کی منظوری کے بنا کسی والی کا کوئی فعل جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اور اس باعث ہر گروہ اپنی مرضی کا خلیفہ بنوانے کی کوشش کرتا تھا۔ دربارِ خلافت سازشوں کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ ان حالات میں خلیفہ کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا۔ بعض دفعہ تو اس کے اپنے پروردہ لوگ اس کی کمر میں خنجر گھونپ دینے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ان بگڑے ہوئے حالات کے باوجود خلیفہ کا منصب اب بھی قابل احترام تھا۔ خلیفہ کا اختیار اور اقتدار قریب قریب ختم ہو گیا تھا اور موجودہ دور کے بے اختیار صدر کی طرح سے ایک نمائشی چیز بن کر رہ گیا تھا۔ اصل اقتدار صوبائی گورنروں اور امرائے دربار کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ خلافت کے چہرے پر بہت سے بدنما داغ پڑ چکے تھے تاہم اس کی ظاہری چمک دمک اب بھی قائم تھی۔

ان حالات میں ابوالفضل جعفر المقتدر کے لقب سے مسند خلافت پر فروکش ہوا تھا۔ یہ سن 295 ہجری (908ء) کی بات ہے۔ اس وقت اس کی عمر تیرہ سال تھی۔ اس کے بڑے بھائی خلیفہ مکتفی باللہ بن معتضد نے مرنے سے پہلے اسے اپنا ولی عہد نامزد کیا

تھا۔امراء اورارکان حکومت ابوالفضل کو خلیفہ بنانے کے خلاف تھے لیکن خلیفہ مکتفی کے وزیر عباس بن حسن نے اس کو منصب خلافت پر فائز کردیا۔اس کے مسند نشین ہوتے ہی مخالفوں نے بغاوت کردیااور معتضد کے ایک بااثرامیر حسین بن حمدان نے جو موصل کا والی تھا عباس بن حسن کو قتل کرکے عبداللہ ابن معتز کو خلیفہ بنادیااورالمقتدر سے قصر خلافت خالی کرنے کا تقاضا کیا۔ المقتدر نے ایک دن کی مہلت طلب کی۔دوسرے دن جب احمد بن حمدان قصر خلافت پہنچاتووہاں پرالمقتدر کے حامیوں نے اس پر حملہ کریا۔وہ جان بچاکر بھاگ نکلا۔یوں المقتدر نے تیرہ برس کی عمر میں حکومت سنبھالی۔جن امراءوعمائدین نے المقتدر کوہٹانے کی کوششوں میں حصہ لیاتھاان سب کو تہہ وتیغ کردیاگیا۔البتہ حسین بن حمدان جو دارالخلافہ سے بھاگ کر موصل چلاگیاتھابچ گیا۔ المقتدر نے اس کی گرفتاری کے لئے فوج بھیجی اوراس کے بھائی ابوالہیجا کو جو حسین کی عدم موجودگی میں موصل کا والی تھا حسین کو گرفتار کرنے کا حکم دیا ۔ ابو الہیجا اس کو گرفتار نہ کرسکا۔حسین بن حمدان چونکہ ایک بااثرامیر تھاالمقتدر کواس کو معاف کردیناپڑا۔

اس کے بعد317ھ میں مونس نامی ایک بااثرامیر نے جو ایک نامور جنرل اور کئی صوبوں کا گورنر رہ چکا تھامقتدر کے مخالفوں سے مل کربغاوت کردی۔یہ شخص مقتدر کا معمولی غلام تھا مقتدر نے اس کو بڑھاتے بڑھاتے امیرالامراء بنادیا۔وہ تمام امورِ مملکت پر حاوی ہوگیااوراقتدار میں خلیفہ کاحلیف بن گیا۔کسی بات پر دونوں کے درمیان بدگمانی پیدا ہوگئی اوراس کے نتیجہ میں مونس نے مقتدر کے دوسرے مخالف امراءاور عمائدین سے مل کر مقتدر کو معزول کردیااوراس کے اہلِ خانہ کو قصر خلافت میں قید کردیاا ور اس کے سوتیلے بھائی محمد کو خلیفہ بناکر قاہر باللہ کے لقب سے مسند خلافت پر بیٹھادیا۔لیکن اہلِ بغداد نے اس کو قبول نہ کیا۔مقتدر کے حامی امراء نے مقتدر کودشمنوں کی قید سے رہائی دلائی۔اس لڑائی میں مقتدر کے مخالف کئی امراءمارے گئے۔مگر مونس بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔مقتدر نے قاہر کو معاف کردیاکیونکہ خلیفہ بننے میں اس کی رضامندی شامل نہ تھی۔یہ دوسری بار تھی کہ مقتدر کو خلافت ملی۔مونس نے مقتدر کے بیٹے ابوالعباس کواپنے ساتھ لے جاکر خلیفہ بناناچاہاجہاں مونس والی تھا۔اس پر دونوں میں جنگ ہوئی اوراس جنگ میں مقتدر کام آیا۔مونس کے فوجیوں نے نہایت بے دردی سے اس کو مارا۔اس کا سر قلم کرکے نیزے پر چڑھایااور مونس کے بیٹے کے سامنے پیش کیا۔اس کی سر بریدہ لاش بے گوروکفن پڑی رہی۔کسی نے اس کو کفن پہناکر دفن کرنے کی ہمت نہ کی۔کسی راہ گیر نے گڑھاکھودکراس کوزمین میں دبادیا۔

عجیب بات ہے کہ خلافت کے عہدے کی تذلیل اور خلفاء کی بے عزتی کے باوجود دنیائے اسلام میں خلافت کا وقاراور دبدبہ قائم رہا ۔ شاہ صقالبہ بھی خلافت کے اسی دبدبے کے باعث خزر خاقان کے خلاف مدد لینے پر مائل ہواہوگا۔اس نے دربارِ خلافت میں اپنی درخواست استمداد پہنچانے کے لئے ایک ایسے شخص کو چناجو نہ بلغار تھااور عرب بلکہ خزر تھا۔عبداللہ بن باشتوالخزری خزر قوم کا باشندہ تھا۔اس کے مسلمان ہونے اور عربی زبان جاننے کی بناپراس کو سفیر بناکر بھیجاگیا۔نیزاس کے ساتھ رہبر کے طور پر جس آدمی کو

بھیجا گیا وہ بھی بلغار نہیں تھا۔ وہ ایک ترک تھا جو پیشے کے لحاظ سے آہنگر تھا' ابتداء میں خوارزم میں کام کرتا تھا پھر اپنے کام میں مہارت حاصل کر کے ترک علاقے میں لوہے کا کاروبار کرنے لگا تھا۔ یہ بھی عربی جانتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بلغار قوم میں کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو عربی بول سکتا ہو۔ اسی لئے سفارت کا کام دو غیر بلغاروں کو سونپا گیا۔

شاہ بلغار المش بن یلطوار نے اپنے مکتوب میں کیا کچھ لکھا تھا اس کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے لیکن یقیناً اس نے ان حالات کا ذکر کیا ہو گا جس کا سامنا اسے یہودی خاقان کی وجہ سے کرنا پڑ رہا تھا۔ بہر حال جو باتیں معلوم ہیں ان کے مطابق شاہ المش نے دربار خلافت سے مندرجہ ذیل باتوں کی درخواست کی تھی۔

1. اس کے پاس کسی ایسے معلم اور فقیہ کو بھیجا جائے جو اس کو اسلام پوری طرح سے روشناس کرائے اور اس کو اسلامی شریعت کی تعلیم دے اور دینِ اسلام کی تبلیغ کرے۔
2. اس کے شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے۔
3. مسجد کے اندر ایک منبر تعمیر کیا جائے جہاں سے اس کے نام کا خطبہ دیا جائے۔
4. اس کے شہر میں قلعہ تعمیر کیا جائے اور دیگر دفاعی انتظامات کئے جائیں تاکہ وہ اپنے دشمن یہودی خاقان سے اپنا دفاع کر سکے۔

قیاس کہتا ہے کہ المش نے ان چیزوں کے علاوہ بھی کئی اور چیزوں کی خواہش کی ہو گی جو اتنی اہم نہیں تھیں کہ ان کا حساب رکھا جائے ۔ مثلاً یہ کہ اس نے بہت سی ادویات بھیجنے کی درخواست کی تھی۔

خلیفہ المقتدر نے اس کی درخواست کو شرف پذیرائی بخشا اور اپنے ایک خواجہ سرا نذیر الحرمی کو جو کہ مقتدر کے مقربین میں سے تھا بادشاہ صقالبہ کے پاس ایک سفارت بھیجنے اور اس کی خواہش کو پورا کرنے کے انتظامات کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ نذیر الحرمی نے المقتدر کی منظوری سے سوسن الرسی کو سفیر مقرر کیا اور احمد بن فضلان کو بطور معلم و فقیہ اس سفارت کا رکن بنایا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے لوگ اس میں شامل ہوں گے کیونکہ شاہ صقالبہ نے نہ صرف معلم بھیجنے کی درخواست کی تھی بلکہ اس نے مسجد و منبر اور قلعہ اور دیگر دفاعی تنصیبات قائم کرنے کی بھی درخواست کی تھی۔ لہٰذا قیاس یہی کہتا ہے کہ سفارت میں معمار اور دیگر اہل حرفہ بھی ہوں گے۔ ابنِ فضلان بغداد واپسی کے بعد اپنی کارگزاری کا جو بیان قلم بند کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اصل سفارت کتنی بڑی تھی' اس میں کتنے لوگ شامل تھے اور ان لوگوں نے وہاں کیا تعمیرات کیں۔ ابنِ فضلان کی اس کتاب سے تو یہ تاثر ملتا ہے کہ سفارت کا سب سے اہم رکن خود ابنِ فضلان تھا اور سوسن الرسی صرف نام کا سفیر تھا۔

ابنِ فضلان کے بارے میں زیادہ معلومات میسر نہیں ہیں۔ وہ کون تھا؟ کہاں کا رہنے والا تھا؟ صرف یہ معلوم ہے کہ وہ خلیفہ المقتدر کے بڑے بھائی خلیفہ المکتفی باللہ کے ایک معتمد اور بااثر امیر محمد بن سلیمان کا غلام تھا جسے ابنِ سلیمان نے آزاد کر دیا تھا۔ وہ ابنِ سلیمان کی غلامی میں کیسے آیا؟ اس کے بارے میں کوئی معلومات میسر نہیں ہیں۔

ہاں وہ ایک پڑھا لکھا، زیرک معاملہ فہم انسان تھا جس کو اپنا مافی الضمیر دوسروں تک پہنچانے کا ہنر آتا تھا۔ اس کا مشاہدہ تیز تھا۔ دربارِ خلافت میں اس کی رسائی یقیناً محمد بن سلیمان کے سبب ہوئی ہو گی اور اس نے خلیفہ اور اس کے مقربین کو یقیناً متاثر کیا ہو گا اور انہیں خوبیوں کے باعث اس سفارتی ذمہ داری تفویض کی گئی ہو گی۔

اس کا سفارتی قافلہ سن 309ھ کے ماہِ صفر کی گیارہ تاریخ کو سن عیسوی 921 کے ماہ جون کی 21 تاریخ کو بغداد سے روانہ ہوا ۔اس وقت صقالبہ یا بلغاروں کے بادشاہ کے دربار تک پہنچنے کے دو راستے تھے۔ ایک راستہ بغداد سے طبرستان اور طبرستان سے کوہ قاف کو عبور کر کے خزر علاقے میں سے گزر کر جاتا تھا۔ دوسرا راستہ بغداد سے خراساں وہاں سے خوارزم سے ترک علاقے میں سے گزر کر دریائے یورال کو عبور کر کے بلغارستان کو جاتا تھا۔ چونکہ اس زمانے میں طبرستان اور آذربائیجان کے علاقے شورشوں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے اور ان صوبوں کے والی خلیفہ وقت کے کچھ زیادہ حامی نہیں تھے نیز کوہ قاف اور اس کے ماوراء علاقہ کے خزر بھی عربوں سے دشمنی رکھتے تھے لہٰذا اس چھوٹے راستے کو چھوڑ کر لمبے راستے کو اختیار کیا گیا۔

بغداد سے بخارا تک سفر کے دوران کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا مگر بخارا میں ایک سابق وزیر ابوالحسن علی بن الفرات کے منیجر نے جو خراساں اور خوارزم میں ابنِ فرات کی جاگیر اور جائیداد کا انتظام وانصرام کرتا تھا اور مذہباً نصرانی تھا اس کے لئے پریشانی پیدا کی ۔سفارتی وفد کا ایک رکن جو بغداد سے سفارت کی روانگی کے چند دن بعد چلنے والا تھا اور شاہ صقالبہ کے لئے نقد رقم لے کر آرہا تھا اس نصرانی نے اس کو گرفتار کروا دیا۔ اس کا مقصد کیا تھا۔ ابنِ فضلان کچھ نہیں بتاتا۔ صرف یہ کہتا ہے کہ فضل بن موسیٰ نصرانی نے فریب دیا۔ چونکہ اس نے سفارت کا خرچہ پورا کرنے کے لئے ابنِ فرات کی جاگیر اس سے چھینی جا رہی تھی اس لئے فضل نے شرارت کی ہو اور سفارت کو بدنام کرنے کے لئے اور سفارتی وفد کو پریشان کرنے کی کوشش کی ہو اس کے سوا تو کوئی فریب نظر نہیں آتا۔

بخارا کے حکمران کو وہ ایک سولہ سترہ سال کا نوجوان پاتا ہے جو اس سفارتی مہم سے ہمدردی نہیں رکھتا اور ابنِ فضلان کو کہتا ہے کہ وہ آگے جانے سے پہلے خراساں کے امیر سے مشورہ کرے۔ ابنِ فضلان اس کی بات نہیں مانتا اور اپنا سفر جاری رکھنے پر اصرار کرتا ہے۔

بخارا کے بعد ابنِ فضلان خوارزم پہنچتا ہے اور وہاں حاکم وقت سے ترک علاقے میں داخل ہونے کا اجازت نامہ طلب کرتا ہے ۔ امیر خوارزم اجازت دینے میں لیت و لعل سے کام لیتا ہے مگر وہ دلیل اور حجت کے ساتھ اپنی بات منواتا ہے اور سفر پر روانہ ہو جاتا ہے ۔ خوارزم سے وہ اس علاقے کے سب سے بڑے شہر جرجانیہ (جرجان) جاتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے تاجروں کے قافلے بلاد مشرقی یورپ کو روانہ ہوا کرتے تھے۔ یہاں کے لوگ بہت خوشحال تھے۔ یہ کافی سرد علاقہ ہے۔ ان کے یہاں پہنچتے پہنچتے موسم سرما شروع ہو گیا برف پڑنے لگی خنکی بڑھنے لگی ہر طرف برف ہی برف نظر آتی تھی۔ وہ بتاتا ہے کہ یہاں پر دریائے جیحون منجمد تھا اور اس کے اوپر گھوڑے گاڑیاں اس طرح چلتی تھیں جس طرح کہ سڑک پر چلتی ہیں۔ سردی کے مارے بہت کم لوگ گھروں سے باہر نکلتے تھے جس کی وجہ سے بازار اور سڑکیں خالی خالی نظر آتی تھیں۔ جرجانیہ یا جرجان اس زمانے کا بہت بڑا تجارتی مرکز تھا ۔ مشرقی یورپ کے لئے تجارتی قافلے اسی شہر سے چلا کرتے تھے۔ ان قافلوں میں چار چار پانچ پانچ ہزار افراد اور اتنے ہی اس سے زیادہ تعداد میں سامان ڈھونے والے جانور ہوتے تھے جو مالِ تجارت سے لدے ہوتے تھے۔ جرجانیہ سے بلغارستان تک کے راستے کی حفاظت ترکوں کے ذمہ تھی جس کا انہیں معقول معاوضہ ملتا تھا۔ معاوضہ نہ ملنے کی صورت میں کارواں کے لٹ جانے کا اندیشہ ہوتا تھا۔

جرجانہ سے آگے ترکوں کا علاقہ تھا۔ یہ غزّ نامی ترک قبیلے کا مسکن تھا۔ غزّ کو تغز غزّ اور اوغوز بھی کہا جاتا ہے۔ ابنِ فضلان نے اس قبیلے کے رسم و رواج اور عادات و اطوار کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ غزّ لوگ اپنے معاملات مشاورت سے طے کرتے ہیں اور متفقہ فیصلے سے روگردانی کرنے اور اس پر عمل نہ کرنے یا اس کے خلاف عمل کرنے والے کو کمینہ اور قابل نفریں سمجھا جاتا تھا۔

ابنِ فضلان بتاتا ہے کہ کئی اور بہت سی قوموں کی طرح ان میں بھی یہ دستور تھا کہ بیٹا باپ کے مرنے کے بعد اپنی سوتیلی ماں کو اپنی بیوی بنا لیتا تھا۔ شادی بیاہ کی رسوم کے بارے میں وہ بتاتا ہے کہ شادی کا خواہش مند لڑکی کے والدین یا کفیل کے ساتھ طے شدہ شرائط کے مطابق شادی کرتا ہے اور شرائط پوری کرنے کے بعد لڑکی کے گھر میں گھس کر اسے اٹھا کر لے جاتا ہے جبکہ اس کے بھائی یا باپ اس کی مزاحمت نہیں کرتے۔ اسی طرح وہ ان کے تکفین و تدفین کے رسم و رواج کا بھی تفصیل کے ساتھ ذکر کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ ترک اپنے مردے کو گڑھے میں دفن کرتے ہیں لیکن گڑھے میں لٹانے کی بجائے بیٹھا دیتے ہیں' اس کے ہاتھ میں شراب کا جام تھما دیتے ہیں اور اس کے استعمال کا بہت سا ساز و سامان اس کے پاس رکھ کر گڑھے کو بند کر دیتے ہیں۔

وہ ترکوں کی مہمان نوازی کے ساتھ ساتھ ان کے جذبہ انتقام کا بھی ذکر کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ اپنے مقروض کی جان نہیں چھوڑتے اور اگر بھاگ جائے تو اس کی تلاش اس وقت تک جاری رکھتے ہیں جب تک کہ وہ مل نہ جائے۔

ترکوں کی ایک عجیب وغریب رسم کا ذکر کرتا ہےاور وہ یہ کہ جب کوئی ترک مر جاتا ہے تو اس کے تمام جانور خاص کر گھوڑے جو مرنے والے کا واحد اثاثہ ہوتے سب اس کی قبر پر (لے جاکر) ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔ غالباً اس محرک کا یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ اس کے وارثوں میں اثاثوں کی تقسیم پر جھگڑا نہ ہو جائے۔ خاندان کو متحد رکھنے کا غالباً یہ ایک اچھوتا انداز تھا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

ترک عورتوں کے بارے میں وہ بتاتا ہے کہ وہ پردہ نہیں کرتی اور نہ صرف پردہ نہیں کرتیں بلکہ ان کو اپنے مخصوص اعضاء کو نامحرموں پر ظاہر کرنے سے ابھی احتراز نہیں ہوتا۔ ترک مرد کہتے ہیں کہ ان کی عورتیں اپنی شرم گاہیں اس لئے دکھاتی ہیں کہ دیکھنے والے کو ان کی دید کی خواہش نہ ہو اور وہ انجان چیز کے لالچ میں اس تک پہنچنے کی کوشش نہ کریں اور اس طرح زن کے مسئلے پر کوئی تنازع کھڑا نہ ہو سکے کیونکہ ان کے ہاں زناکاری کی سخت سزا دی جاتی تھی۔

ترک علاقے میں سفر کے دوران ایک مرحلہ پر اس کو اپنی جان کے لالے بھی پڑے جب ترک سرداروں نے اس کو جاسوس سمجھ کر قتل کر دینا چاہا۔ وہ ان کو رام کرنے میں بڑی مشکل سے کامیاب ہوا۔ ان کے چنگل سے بچنے کے لئے اس نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لیا اور اس طرح ترک علاقے سے روانہ ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ یہ ترک جتنے اجڈ اور وحشی تھے اس کو دیکھتے ہوئے کسی بڑے حادثے سے دوچار ہوئے بغیر ان کے علاقے سے خیر وعافیت کے ساتھ گزر جانا بڑی کامیابی کی بات تھی۔

اس طرح وہ دو ترک قبیلوں پچناگ اور باشکرد کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ پچناگ غزّوں کے مقابلے میں غریب ہیں۔ نیز ان کا رنگ بھی غزّوں سے مختلف ہوتا ہے یہ لوگ گہری بھوری رنگت کے ہوتے ہیں۔ باشکرد ترکوں کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ ترکوں میں یہ لوگ سب سے شریر اور سب سے زیادہ گندے ہونے کے ساتھ ساتھ ظالم بھی ہوتے ہیں۔ اس قبیلے کے رسم ورواج کا بھی اس نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یہ ظالم بھی ہوتے ہیں۔ اس قبیلے کے رسم ورواج کا بھی اس تفصیلی ذکر کیا ہے۔ یہ لوگ جوئیں کھاتے ہیں جو ان کے نزدیک ''بڑی مزیدار'' ہوتی ہیں۔ بارہ خداؤں کو مانتے ہیں۔ سانپ کی پرستش کرتے ہیں اور سارس کو اپنا رب گردانتے ہیں ، ہندوؤں کی طرح وہ بھی مرد کے عضو تناسل کی عبادت کرتے ہیں۔

صقالبہ یا بلغاروں کے رسم ورواج اور رہن سہن کا بھی تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ بعض محیر العقل باتوں کا بھی ذکر کیا ہے ۔ موسم کے بارے میں بھی عجیب عجیب باتیں کیں ہیں۔ بہت سی باتیں دل کو نہیں لگتیں اور بعض میں مبالغہ سے کام لیا ہے مثلاً موسم میں رات کا اس قدر مختصر ہونا کہ مغرب کی نماز کے بعد عشاء کی نماز کی اذان کی بجائے فجر کی اذان کا ہونا۔ اتنی مختصر رات تو نہیں ہوتی اور نہ اتنا دن مختصر ہوتا ہے پانچ چھ میل کا فاصلہ طے کرتے کرتے سورج غروب ہو جائے۔ یہاں اس نے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اسی

طرح اس کا یہ کہنا کہ ایک درخت جو جڑ سے اُکھڑا پڑا تھا اس کی لمبائی ایک سو ہاتھ تھی اور اس پر اتنا ہی لمبا موٹا سانپ لیٹا ہوا تھا خلافِ عقل بات لگتی ہے۔اسی طرح اس کا یہ بیان کہ صقالبہ میں ایک ایسا آدمی رہتا تھا جس کا سر دیگچے کے برابر تھا انگلیاں ایک ایک بالشت بھر اور ناک ایک بالشت لمبی تھی کچھ مبالغہ آمیز لگتا ہے۔یاجوج وماجوج کے بارے میں اس کا بیان افسانہ لگتا ہے۔

بلغاروں کی ایک رسم بڑی دلچسپ بتائی ہے۔آدمی کے مرنے پر عورتیں نہ روتی ہیں نہ بین کرتی ہیں بلکہ یہ کام مرد کرتے ہیں یا غلام ۔ نیز یہ کہ دو برس کے بعد یا دوسری برسی کے موقعہ پر مرنے والے کے قریبی عزیز اور رشتہ دار ایک پر تکلف دعوت کا اہتمام کرتے ہیں' بالکل اسی طرح آج کے پاکستانی معاشرے میں لوگ چہلم کی رسم ادا کرتے ہیں۔

روسیوں کے بارے میں بھی اس کا بیان خاصا مبالغہ آمیز ہے۔وہ کہتا ہے کہ میں نے جسمانی طور پر اتنے متناسب الاعضاء لوگ پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے وہ کھجور کے درخت کی طرح قدآور ہیں۔ابنِ فضلان نے والگا کے علاقے میں جن لمبے تڑنگے لوگوں کو دیکھا تھا وہ دراصل وائیکنگ یا نارمن ''روس''نامی شاخ کے افراد تھے۔نارمن قد کاٹھ میں یقیناً عام لوگوں سے زیادہ لمبے تھے۔وہ عربوں کے مقابلے میں یقیناً لمبے تھے مگر اتنے بھی لمبے نہیں تھے کہ انہیں کھجور کے درخت سے تشبیہ دی جائے۔

ابنِ فضلان نے ان لوگوں کا جو نقشہ کھینچا ہے اور ان کے رسم ورواج اور طور وطریقوں کو جس طرح بیان کیا ہے وائیکنگ کے بارے میں اس کو بہت مستند سمجھا جاتا ہے اور حوالے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ ''ہر روسی کے پاس ایک کلہاڑی ہوتی ہے'ایک تلوار ہوتی ہے اور ایک چاقو ہوتا ہے اور کوئی روسی ان کے بغیر نظر نہیں آتا''۔نارمن بڑی جنگجو قوم تھی لہٰذا ان کا ہر وقت ہتھیار بند رہنا سمجھ میں آتا ہے۔ابنِ فضلان کے نزدیک یہ لوگ دنیا کے غلیظ ترین لوگ ہیں۔اس نے ان کی غلاظتوں کی جو تصویر کھینچی ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔وہ بتاتا ہے کہ ''یہ لوگ پیشاب پاخانہ کرکے دھوتے ہیں اور نہ غسل جنابت کرتے ہیں۔یہ لوگ بلا ناغہ ہر روز نہایت گندے پانی سے منہ دھوتے ہیں۔اسی پانی کو دوسرے لوگ بھی استعمال کرتے ہیں''بظاہر یہ ناقابل یقین سی بات ہے مگر وہ کہتا ہے کہ میں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ویسے آج انگلینڈ میں عام گھروں میں واش بیسن میں پانی بھر کے اسی میں منہ ہاتھ دھوتے ہیں۔اگر اس زمانے میں ایسا ہوتا ہے تو ہزار بارہ سو برس پہلے وہ سب کچھ ہوتا ہوگا جس کا ذکر ابنِ فضلان نے کیا ہے۔

ابنِ فضلان نے جنس سے متعلق روسیوں کے جس ڈھیلے ڈھالے رواج کا ذکر کیا ہے آج یورپ خاص کر اسکینڈے نیویا کے ملکوں کا دستور غالباً اسی رویے کا تسلسل دکھائی دیتا ہے۔عورت کا جس قدر استحصال آج سے بارہ سو برس پہلے ہوتا تھا اسی طرح آج بھی ہو رہا ہے ۔فرق اتنا ہے کہ پہلے غلام زادیوں کے ساتھ اختلاط عام ہوتا تھا آج آزادی پسندوں کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کی اپنی مرضی سے ہوتا ہے۔

ابنِ فضلان نے روسیوں (نارمنوں) کی ضعیف الاعتقادی کا بھی نقشہ کھینچا ہے کہ وہ کس طرح لکڑی کے بنے ہوئے خداؤں سے امداد طلب کرتے ہیں۔اس نے ایک معزز روسی کی موت اور اس کے کریاکرم کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے۔اس نے بتایا کہ نارمنوں میں یہ دستور تھا کہ جب ان کا کوئی سردار یا معزز آدمی مر جاتا تو ایک کنیز کو قتل کر کے اس کے برابر میں رکھ دیتے اور پھر دونوں لاشوں کو جہاز پر رکھ کر جہاز کو آگ لگا دیتے تھے۔وہ کہتا ہے کہ روسیوں کے نزدیک اس طرح جلا دینے کا مطلب یہ ہوتا کہ مرنے والا فوراً جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

ان کی مردہ سوزی کی یہ رسم ہندوؤں کی مردہ سوزی سے ملتی جلتی ہے۔نارمن مرنے والے کے ساتھ کسی کنیز یا غلام کو اس کی رضا و رغبت سے قتل کر کے مردے کے ساتھ جلا دیتے تھے جبکہ ہندو مذہب میں مرنے والے کے ساتھ اس کی بیوی کو جلایا جاتا تھا۔

نارمن لوگ بہت سے خداؤں پر یقین رکھتے تھے ان کے بڑے خداؤں میں ''اودِن''، ''تھور'' اور ''فرے'' شامل تھے۔ اودن علم و حکمت اور جنگ کا خدا تھا' اس کے علاوہ بے شمار ملکوتی صفات اور مافوق الفطرت قوتیں اس کے قبضے میں تھیں۔ تھور ناقابل یقین حد تک طاقتور مگر چالاک نہیں تھا اور فرے افزائش نسل کا خدا تھا اور اس کو بہت سخی اور فیاض سمجھا جاتا تھا۔اس کے علاوہ بھی بہت سے دیوی دیوتا تھے جن کی وہ ضرورت کے مطابق پرستش کرتے تھے۔وہ ان خداؤں کے مجسمے بناتے جو لکڑی یا پتھر کے ہو سکتے تھے۔ابنِ فضلان نے جن نارمنوں کو دیکھا وہ لکڑی کے بنے ہوئے اودن کے مجسموں کے سامنے سجدہ ریز ہو رہے تھے اور اس کو نذر پیش کر رہے تھے۔

ابنِ فضلان کی ملاقات جن نارمنوں سے ہوئی وہ تجارت کے لئے آئے تھے۔لوٹ مار کرنے نہیں آئے تھے جس کے لئے وہ اس زمانہ خاص کر ایک سو سال پہلے مشہور تھے۔

روسیوں کے علاوہ اس نے خزر لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے جو کسی زمانے میں علاقے کی سب سے بڑی 'مضبوط اور استعماری طاقت تھے اور دسویں صدی کے اوائل میں بھی جب ابنِ فضلان ان کے علاقے سے گزر کر بلغارستان پہنچا تھا اور جن کے نام سے بحیرہ خزر منسوب ہے خزر خاقان ایک باجبروت فرمانروا تھا۔پاس پڑوس کی چھوٹی چھوٹی قومیں اس کی باج گزار تھیں اور وہ ان سے سختی سے پیش آتا تھا۔ابنِ فضلان بتاتا ہے کہ خزر کے حرم میں 25 بیویاں اور ساٹھ کنیزیں تھیں جو خوبصورتی میں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔اس کی تمام بیویاں پڑوس کے کسی نہ کسی بادشاہ یا سردار کی بیٹیاں تھیں جن کو وہ برضا و رغبت یا بزور طاقت حاصل کرتا تھا۔اس نے شاہ صقالبہ کی ایک بیٹی کو بھی بزور قوت اپنی بیوی بنا لیا تھا مگر اس مسلمان شہزادی نے اس کے محل میں جا کر خودکشی کر لی تھی۔

ابنِ فضلان نے خاقان کی طرز حکومت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ خزر بادشاہ لوگوں کے سامنے نہیں آتا۔ گنے چنے صرف چند لوگوں سے ملتا ہے۔ اس کا نائب کاروبار حکومت چلاتا ہے۔ جنگ وامن کے فیصلے وہی کرتا ہے' جزاوسزا بھی اسی کے حکم سے دی جاتی ہے۔ ایک دلچسپ بات وہ یہ بتاتا ہے کہ خزر اپنے بادشاہ کو چالیس برس سے زیادہ حکومت نہیں کرنے دیتے۔ خزروں کا خیال ہے کہ چالیس سال حکومت کرنے کے بعد بادشاہ کی عقل ماری جاتی ہے اور اس کا دماغ چل جاتا ہے۔ اس لئے عمائدین اور اراکین حکومت اسے معزول کر کے قتل کر دیتے ہیں۔ بادشاہ کے حق حاکمیت پر اس طرح قدغن اس زمانے میں شاید کسی اور ملک میں نہیں تھی۔

آخر میں اس نے خزر قوم کی بادشاہت کے بارے میں دلچسپ باتیں بتائی ہیں۔ خزر لوگ بادشاہ کو قتل کر کے اس کے لئے ایک مقبرہ بناتے ہیں جس کے اندر بیس کمرے ہوتے ہیں۔ ہر کمرے میں قبر بنائی جاتی ہے اور ان میں سے کسی ایک قبر میں اس کو اُتارا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ان تمام لوگوں کے سر قلم کر دیے جاتے ہیں جو تدفین کے وقت موجود ہوتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی کو معلوم نہ ہو پائے کہ بادشاہ کس قبر میں دفن ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ کتاب ابنِ فضلان کی اصل کتاب یا اصل کتاب کی نقل پر مبنی نہیں بلکہ اصل کتاب سے منقول کتابوں کے اقتباسات پر مبنی ہے۔ ابنِ فضلان کا اصل رسالہ یا اس کی اصل نقل تو شاید کہیں موجود نہیں ہے۔ اس کے صرف اقتباسات ملتے ہیں۔

ابنِ فضلان کی اس کتاب میں بعض جگہ تسلسل کا فقدان محسوس ہوتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب ابنِ فضلان کی اصل کتاب یا اس کا براہ راست اقتباس نہیں ہے۔ بلکہ کسی اور شخص نے اس کتاب سے اقتباس نقل کئے ہیں اور ''**قال احمد بن فضلان**'' سے ابتداء کی ہے اگر یہ کتاب خود ابنِ فضلان کی ہوتی تو ابتدا قال احمد بن فضلان سے نہ ہوتی۔ بہر حال اس رسالے سے دسویں صدی کے ترکوں اور روسیوں کے طرز معاشرت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے اور ان کے رسم ورواج رہن سہن کے طریقوں اور ان کے لباس اور مذہبی عقائد غرض کہ زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

متن

رسالہ ابنِ فضلان

بغداد سے روانگی

ابنِ فضلان نے کہا (قال ابنِ فضلان)

صقالبہ[1] کے بادشاہ المش یلطوار[2] نے امیر المومنین المقتدر[3] کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا جس میں اس نے امیر المومنین سے درخواست کی کہ اس کے پاس کسی ایسے شخص کو بھیجا جائے جو اس کو مسائلِ دینی سمجھائے اور شریعت اسلامی (شرائع اسلام) کی تعلیم دے، اس کے لئے مسجد تعمیر کرے اور منبر نصب کرے جہاں سے وہ اپنے شہر (بلدہ) اور مملکت میں اسلام کی تبلیغ کر سکے اور اپنے نام کا خطبہ جاری کر سکے؛ نیز اس کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے تاکہ وہ اپنے ہمسایہ دشمن بادشاہوں کے حملوں سے محفوظ رہ سکے۔ اس کی درخواست منظور کر لی گئی اور ضروری انتظامات کرنے کی ذمہ داری نذیر الحرمی[4] کے سپرد کر دی گئی۔

میرے ذمّے امیر المومنین کی طرف سے شاہ صقالبہ کے نام بھیجے جانے والے مکتوب کو شاہ یلطوار کو پڑھ کر سنانا اور امیر المومنین کی طرف سے بھیجے جانے والے تحائف کو شاہ کی خدمت میں پیش کرنا اور فقہاء معلمین کے کام کی نگرانی کرنا تھا۔

---

1 صقالبہ۔ صقالبہ یا صقلبیہ سلاو (Slav) تھے۔ بعض ماہرین انہیں ترک قرار دیتے ہیں۔ یہ قوم اور خزر جس سے بحیرہ خزر (Caspian Sea) منسوب ہے ساتویں صدی عیسوی میں ترکوں کے مغربی اتحاد کے ٹوٹ جانے کے بعد نمودار ہوئی تھیں۔ دراصل یہ لوگ بلغار تھے جن کی ایک شاخ آج بھی بلغاریہ میں موجود ہے۔

2 المش۔ ابنِ فضلان کے مخطوطہ میں صقالبہ کے بادشاہ کا نام الحسن بن یلطوار لکھا ہے۔ کئی حوالوں میں "المش بن شلکی داماد ترک" بھی لکھا گیا ہے۔ مگر بالعموم المش کے نام پر سب کا اتفاق ہے۔ یہ شخص بلغاروں کا بادشاہ تھا۔ عرب اس قوم کو صقالبہ یا سلاو کہتے تھے۔ موجودہ روس کے انتہائی مشرقی خطہ جو کوہ یورال کے مغرب میں دریائے والگا تک پھیلا ہوا ہے اس قوم کا مسکن تھا۔ اس خطے میں آج کل تاتارستان اور باشکرد کی خود مختار جمہوریتیں قائم ہیں جو روسی وفاق میں شامل ہیں یاد رہے کہ زیر نظر مخطوطہ ابنِ فضلان کی اصل کتاب نہیں ہے کسی اس کو ابنِ فضلان کے نسخے سے نقل کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے المش کو الحسن بنا دیا ہو۔

3 المقتدر۔ ابوالفضل جعفر بن معتضد الملقب بہ مقتدر باللہ 295تا320ھ (مطابق 908تا932ء) بنی عباس کا اٹھارواں خلیفہ تھا۔ اس کا دور بڑا پُرآشوب دور تھا۔ تیرہ سال کی عمر میں خلیفہ بنا چنانچہ اس کی کمسنی اور نااہلی اور امراء کی خود غرضی اور امورِ مملکت میں عورتوں کی مداخلت واقتدار کی وجہ سے اس کے زمانہ میں خلافت کا سارا نظام درہم برہم ہو گیا تھا بغاوتیں اور انقلابات روزمرہ معمول بن گیا تھا بار بار وزارتیں بدلتی تھیں ایک ایک سال میں دو دو وزراء کی نوبت آجاتی تھی۔ فاطمی خلافت کا قاہرہ میں قیام بھی اسی کے زمانے میں عمل میں آیا۔ اس افراتفری کے عالم میں المقتدر کی خلافت بھی ڈانواڈول ہوتی رہی۔ حد یہ ہے کہ اسے دو دفعہ تخت سے اُتارا گیا اور تیسری بار وہ تخت کے ساتھ ساتھ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ کل ملا کر اس نے پچیس برس حکومت کی۔ المقتدر عیش پرست خلیفہ تھا۔ امورِ مملکت سے زیادہ دلچسپی نہ رکھتا تھا۔ عورتوں کی صحبت اور نبیذ میں غرق رہتا تھا۔ چنانچہ عورتیں اس پر حاوی ہو گئی تھیں، وہ بلا کا فضول خرچ تھا۔ لونڈیوں اور محلات شاہی پر بے دریغ دولت لٹاتا تھا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت خزانہ قیمتی جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ ان میں سے بعض جواہرات نادر روزگار تھے۔ المقتدر نے یہ سب کنیزوں پر لٹا دیئے، خزانہ خالی ہو گیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ سلطنت کے انتظامات اور فوجیوں کو تنخواہ دینے کے لئے شاہی ساز و سامان فروخت کرنا پڑ گیا۔ 38 سال کی عمر میں المقتدر کے اپنے پروردہ غلام مونس نے جس کو المقتدر نے ایک معمولی غلام سے اُٹھا کر امیر الامراء بنایا تھا اس کے خلاف بغاوت کی۔ دونوں کی فوجوں میں جنگ ہوئی جس میں المقتدر مارا گیا۔ مونس کے فوجیوں نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ سر جدا کر کے اسے ڈنڈے پر آویزاں کیا، بدن کے کپڑے اتار کر لاش کو ننگا کر دیا اور عریاں لاش چھوڑ گئے۔ کسی نے دفن کرنے کی پرواہ نہ کی۔ ایک راہ گیر نے گڑھا کھود کر لاش کو زمین میں دبا دیا۔ یہ انجام ہوا اس خلیفہ کا جو ایک ایک دربار کی شان و شوکت پر لاکھوں خرچ کرتا تھا جس کے حرم میں سینکڑوں کنیزیں اور کئی ہزار غلام تھے۔

4 نذیر حرمی۔ نذیر حرمی یا نذیر خرمی یا نذیر خزمی خلیفہ المقتدر کا خواجہ سرا تھا۔ المقتدر کے دربار کا ایک اہم رکن تھا اور خلیفہ کے معتمدین میں شمار ہوتا تھا۔

خوارزم میں واقع ابوالحسن ابن الفرات [1] کی " ارتخشمثین "نامی جائیداد کو اس سفارت پر آنے والے اخراجات کے مختص کر دیا گیا۔

شاہ صقالبہ کی طرف سے امیر المومنین المقتدر کے دربار آنے والے سفیر کا نام عبداللہ ابنِ باشتوالخزری [2] تھا اور خلیفہ المقتدر کے سفیر کا نام سوسن الرسی [3] تھا جو نذیر الحرمی کا مولیٰ تھا۔ تکین الترکی [4] اور بارس صقلابی [5] اس کے ہمراہ تھے اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ میں نے امیر المومنین کی طرف سے دیئے گئے وہ تحائف سفیر کے حوالے کئے جو شاہ یلطوار، اس کی بیوی، اس کے بیٹوں، اس کے بھائیوں، اس کے فوج کے سالاروں کے لئے تھے۔ ان کے علاوہ ادویات بھی سفیر کے سپرد کر دیں جو شاہ یلطوار کو بھیجی جا رہی تھیں اور جن کی درخواست اس نے اپنے خط میں کی تھی۔

---

1 ابن فرات۔ اس کا پورا نام ابوالحسن علی بن محمد بن موسیٰ بن فرات تھا۔ مقتدر کے 25 سالہ دورِ حکومت میں تین مختلف ادوار میں وزیر بنا اور تینوں دفعہ معزول کیا گیا۔ آخری بار معزولی کے بعد قتل کر دیا گیا۔ ابن فرات کے خاندان نے عباسیوں کے زیر سایہ بڑی ترقی کی۔ فرات خاندان نے فضل و کمال، خلق و شرافت اور فیاضی میں بڑا نام کمایا۔ ابوالحسن میں اپنے خاندان کی یہ تمام صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ وہ بہت زیرک اور معاملہ فہم تھا۔ مسئلے کی جڑ تک پہنچ کر خوش اسلوبی کے ساتھ اس کو حل کرنے کی صلاحیتوں سے مالامال تھا۔ اس نے اپنے حسن تدبر سے ان لوگوں کو بھی مقتدر کا حامی بنا دیا تھا جو کبھی اس کے سخت مخالفوں میں شمار ہوتے تھے ابوالحسن بغداد اور واسط کے درمیان نہروان اعلیٰ میں پیدا ہوا۔ معتضد باللہ کے دور خلافت میں سواد کا دیوان مقرر ہوا۔ پھر المقتدر نے ربیع الاول 296ھ (نومبر 912ء) کو اسے پہلی دفعہ وزیر بنایا ذوالحجہ 299ھ (جولائی 912ء) میں اسے ایک سازش کے الزام میں برطرف کر دیا گیا۔ اسے قید کر دیا گیا اور اس کی بے شمار دولت ضبط کر لی گئی۔ بایں ہمہ وہ خلیفہ کا اعتماد بحال کرنے میں کامیاب ہوا اور المقتدر نے اسے ذوالحجہ 304ھ (جون 917ء) میں دوسری بار وزیر مقرر کیا۔ مگر اس کی فوجی مہموں اور فضول خرچیوں کی باعث جمادی الاول 306ھ (اکتوبر/نومبر 918ء) میں اس کو پھر معزول کر کے قید میں ڈال دیا گیا۔ اپنے بیٹے الحسن کے اثر و رسوخ کے باعث اس کو معافی مل گئی اور المقتدر نے ربیع الثانی 311ھ (اگست 923) کو تیسری بار منصب وزارت پر فائز کیا۔ مگر اہل بغداد کے مطالبہ پر اسے ربیع الاول 312ھ (جون 924ء) کو تیسری بار برطرف کر کے قید اور پھر 13۔ ربیع الثانی 312ھ (19۔ جولائی 924ء) کو اس کے بیٹے الحسن سمیت قتل کر دیا گیا۔ فرات خاندان کی سلطنت کے مختلف علاقوں میں جائیدادیں تھیں۔ ان میں سے ایک جاگیر خوارزم میں بھی تھی جو ارتخشمثین کے نام سے معروف تھی۔ المقتدر نے اس جاگیر کو ابنِ فرات سے واپس لے کر اس کی آمدنی کو صقالبہ کی سفارت کے اخراجات پورا کرنے کے لئے منتقل کر دیا تھا۔

2 عبداللہ بن باشتوالخزری۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ شخص خزر قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر مسلمان تھا۔ عربی جانتا تھا۔ اسی وجہ سے شاہ صقالبہ نے اس کو اپنا سفیر بنا کر دربارِ خلافت میں بھیجا تھا۔

3 سوسن الرسی۔ المقتدر کے باپ خلیفہ مکتفی باللہ کا حاجب اور نذیر الحرمی کا موالی تھا۔

4 تکین الترکی۔ اس کا نام تگین تھا۔ عربی میں تکین ہو گیا۔ یہ خالص ترک نام ہے جیسے الپتگین یا سبکتگین۔ پیشہ آہنگری تھا کہ ترک اس کے لئے مشہور تھے۔ اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں ترک چین کے لئے بہترین تلواریں بنایا کرتے تھے اور اس وجہ سے چین کے "آہنگر" مشہور تھے۔ تکین پہلے خوارزم میں لوہار کا کام کیا کرتا تھا۔ پھر اس کام کو چھوڑ کر لوہا بیچنے کا کام شروع کیا اور غالباً اس بیوپار کے سبب شاہ صقالبہ تک اس کو رسائی حاصل ہوئی ہو گی۔

5 بارس (چیتا) الصقلابی جیسا کہ نام سے ظاہر ہے صقلب (بلغار) تھا۔ یہ شخص غالباً عربی جانتا تھا کیونکہ وہ کافی عرصہ سے عربوں کے محروسہ علاقوں میں سامانی امیر احمد بن اسماعیل کی ملازمت میں رہا تھا۔

ہم سنہ 309 ھجری[1] کے ماہِ صفر کی گیارہویں بروز جمعرات مدینۃ السلام سے روانہ ہوئے۔ ہم ایک دن کے لئے "نہروان[2]" میں ٹھہرے۔ وہاں سے بسرعت روانہ ہوئے اور "دسکرہ"[3] پہنچے جہاں ہم نے تین دن قیام کیا۔ پھر ہم کہیں رُکے بغیر سیدھے "حلوان"[4] پہنچے اور یہاں دو دن قیام کیا۔

حلوان سے چل کر ہم "قرمیسین"[5] (کرمان شاہ) میں وارد ہوئے اور اس شہر میں دو دن قیام کیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر "ہمدان"[6] سے چل کر "ساوہ"[7] پہنچے اور ساوہ میں بھی دو دن مقیم رہے۔ یہاں سے چل کر ہم "رے"[8] پہنچے۔ رے میں ہمیں

---

1 مطابق 21 جون 921ء

2 **نہروان**۔ بغداد اور واسط کے درمیان بغداد کے مشرق میں واقع ہے بغداد سے خراسان جانے والی شاہراہ پر یہ پہلا پڑاؤ تھا جو بغداد سے 4 فرسخ (24 کلومیٹر) کے فاصلہ پر نہروان نہر کے پار واقع تھا۔

3 **دسکرہ**۔ خراسان کو جانے والے راستے پر دوسرا پڑاؤ جو بغداد سے بجانب شمال مشرق 16-فرسخ (96-کلومیٹر) کے فاصلہ دریائے دیالہ کے کنارے پر تھا۔ غالباً یہ ایرانی نام "دست گر" کی عربی شکل ہے۔

4 **حلوان**۔ دسکرہ سے 25 فرسخ (150 کلومیٹر) کے فاصلہ پر صوبہ الجبال میں پہلا شہر جو شاہراہ خراساں پر دریائے الوند کے کنارے واقع تھا جو دریائے دیالہ کا ایک معاون دریا ہے۔ آج کل اس شہر کو "سرائے پل سحاب" کہا جاتا ہے۔

5 **قرمیسین** ۔ حلوان کے مشرق میں 30 فرسخ (180 کلومیٹر) کے فاصلہ پر واقع صوبہ الجبال کا ایک اہم شہر۔ یہ کرمان شاہ کی عربی شکل ہے۔ آج کل ایرانی اسے کرمان شاہ ہی کہتے ہیں۔

6 **ھمدان**۔ کوہستانی علاقہ میں واقع ہے۔ یہ ایک قدیم شہر ہے کوہ الوند کے شمال مشرق میں جو ایران کے وسطی خطے میں مغرب کی جانب 1800 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔

7 **ساوہ**۔ بغداد سے خراسان جانے والے اور قزوین سے قم جانے والے راستوں کے مقام اتصال کا نام ساوہ تھا۔ یہ اپنے زمانے میں ایک اہم شہر تھا جہاں چاروں اطراف سے آنے والے قافلے ٹھہرا کرتے تھے۔ کارواں سرائے ہونے کے سبب یہ ایک خوشحال شہر تھا۔ منگول حملہ آوروں نے اس کا 617ھ () میں تباہ کر دیا تھا اور اس کی عالیشان لائبریری کو جلا کر خاک کر دیا تھا۔ ایران کا موجودہ شہر ساوہ اسی شہر کی جگہ آباد ہے۔

8 **رے**۔ چوتھی صدی ہجری میں رے ایک بہت بڑا تجارتی مرکز اور مردم خیز شہر تھا۔ ابنِ فضلان کے اس شہر میں وارد ہونے سے پہلے دیلمیوں، سامانیوں اور علویوں کے درمیان اس شہر پر حکومت حاصل کرنے کے لئے جنگیں ہو چکی تھیں اور یہ شہر کبھی ایک فریق کے اور کبھی دوسرے فریق کے قبضے میں جاتا رہا تھا۔ جب ابنِ فضلان یہاں وارد ہوا تو اس پر احمد بن صعلوک کا قبضہ تھا یہ قبضہ اسے المقتدر نے دلوایا تھا۔ رے کا شہر سادہ سے مشرق کی طرف 24 فرسخ (144-کلومیٹر) کے فاصلہ پر واقع تھا۔ اس کے آثار آج بھی تہران کے مضافات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

احمد بن علی[1] کے بھائی صعلوک[2] کے انتظار میں گیارہ دن ٹھہرنا پڑا کیونکہ وہ اس وقت ''خوار رے''[3] (خوار الرے) گیا ہوا تھا۔ اس لئے ہم رے سے ''خوار رے'' چلے گئے جہاں ہم نے دو دن قیام کیا۔ ''خوار رے'' سے ہم ''سمنان''[4] کے لئے روانہ ہوئے

---

1 **احمد بن علی صعلوك** کا بھائی محمد بن صعلوک دیلمی رے کا والی تھا۔ سن 304ھ آرمینیہ اور آذر بائیجان کے والی امیر یوسف بن ابی الساج نے یہ مشہور کر کے کہ خلیفہ المقتدر نے ''رے'' کی حکومت اس کو دیدی ہے محمد بن صعلوک سامانی کو رے سے بے دخل کر دیا اور دربار خلافت میں المقتدر کے وزیر ابوالحسن ابن فرات کو لکھ بھیجا کہ سابق وزیر علی بن عیسیٰ نے مجھے قزوین، زنجان اور رے کی حکومت کا پروانہ دیا تھا اور میں نے غاصبوں سے قبضہ بڑی مشکل سے واپس لیا ہے۔ ابنِ فرات نے سابق وزیر علی بن عیسیٰ سے تصدیق چاہی تو اس نے انکار کیا۔ المقتدر کو امیر یوسف کی یہ جسارت پسند نہ آئی چنانچہ وزیر ابنِ فرات نے یوسف کو لکھا کہ تمہارا بیان بالکل جھوٹ ہے اور تمہارا قبضہ بالکل غاصبانہ ہے۔ 307ھ میں المقتدر کے ایک جنرل مونس نے یوسف کو فوجی طاقت کے ذریعے رے اور دوسرے علاقوں سے بے دخل کر کے محمد بن صعلوک کے بھائی احمد بن صعلوک کو رے کا والی مقرر کیا۔ لیکن المقتدر نے 310ھ میں امیر یوسف کو دوبارہ رے کی حکومت بخش دی۔ احمد بن صعلوک نے امیر یوسف کی مخالفت کی۔ دونوں میں جنگ ہوئی احمد بن صعلوک گرفتار ہوا۔ امیر یوسف نے اس کو قتل کر دیا۔ جب 309ھ میں ابنِ فضلان رے پہنچا تو احمد بن صعلوک وہاں کا والی تھا اور اس کا بھائی محمد بن صعلوک خوار رے میں مقیم تھا۔

2 **صعلوك** ۔ احمد بن صعلوک کا بھائی۔ محمد بن صعلوک احمد سے پہلے ''رے'' کا والی تھا۔ آذر بائیجان کے والی یوسف بن ابی السّاج نے اس کو ''رے'' کی حکومت سے بے دخل کر دیا تھا۔

3 **خوار رے**۔ یہ شہر رے کے مشرق میں رے سے 25 فرسخ (150-کلومیٹر) کے فاصلہ رے اور سمنان کے درمیان واقع تھا۔ اس کو ''رے'' خاص سے ممیز کرنے کے لئے خوار رے کہا جاتا تھا۔ چوتھی صدی ہجری میں یہ ایک بڑا شہر تھا۔ پھر برباد اور ویران ہو گیا۔ آج اردن نامی بستی کی شکل میں موجود ہے۔

4 **سمنان** ۔ یہ شہر خوار رے سے 22 فرسخ (132 کلومیٹر) کے فاصلہ پر سلسلہ کوہِ البرز کی جنوبی ڈھلان پر دشتِ کبیر کے شمالی کنارے پر رے اور دامغان کے درمیان واقع تھا۔ یہ شہر اپنے باغات اور درختوں اور فراوانی آب کے لئے مشہور تھا۔

اور وہاں سے ''دامغان'' [1] پہنچے۔ یہاں داعی[2] کا نمائندہ ابنِ قارن[3] ٹھہرا ہوا تھا۔ لہٰذا ہمیں اپنی شناخت چھپانی پڑی۔ دامغان سے ہم ''نیشاپور'' [4] پہنچے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ لیلیٰ ابنِ نعمان[5] کو قتل کر دیا گیا ہے۔ یہاں ہماری ملاقات ''حمویہ کوسا''[6] سے ہوئی جو خراسان میں فوج کا سپہ سالار تھا۔

---

1 **دامغان**۔ دامغان ایک بڑا شہر تھا اور اس زمانے میں صوبہ قومس کا دارالحکومت تھا۔ یہاں پر باغات بکثرت تھے۔ میوہ جات کی فراوانی تھی شمال مشرق کی جانب کوہِ البرز کی جنوبی ڈھلان پر سمنان سے 17 فرسخ (102 کلو میٹر) کے فاصلہ پر واقع تھا۔

2 **داعی**۔ خلیفہ المقتدر کے باپ خلیفہ معتضد کے زمانے میں طبرستان کے والی محمد بن زید علوی خراساں پر قبضہ کرنے کی خواہش میں مارا گیا تھا اور خراساں کے والی احمد بن اسمٰعیل سامانی نے طبرستان پر قبضہ کر لیا تھا۔ علوی خاندان طبرستان پر دوبارہ قبضہ کرنے کی فکر میں تھا۔ اس خاندان کے ایک فرد حسن بن علی المقلب بہ اطروش نے کسی نہ کسی طرح سے 301ھ میں طبرستان میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی مگر 304 میں سامانیوں نے اطروش کو قتل کر دیا۔ اطروش کے قتل کے بعد اس کا داماد حسن بن قاسم المعروف بہ ''داعی''، جس کو داعی الحق بھی کہا جاتا تھا اس کا جانشین ہوا۔ اس زمانے میں یہ علاقہ جس میں ابنِ فضلان سفر کر رہا تھا۔ سیاسی طور پر خلفشار کا شکار تھا کہنے کو حکومت تو خلیفہ بغداد کی تھی مگر صوبوں کے والی قریب قریب خود مختار ہو گئے تھے اور اس علاقے میں سامانیوں اور دیلمیوں کے درمیان جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ حسن بن قاسم کو جو ایک بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے دیلمیوں کی حمایت حاصل تھی مگر وہ آزاد طبع لوگ تھے۔ مذہب پر سختی سے عمل نہیں کرتے تھے جبکہ حسن بن قاسم ان سے شریعت کی پابندی کرانا چاہتے تھے۔ لہٰذا رفتہ رفتہ دیلمی ان کے خلاف ہو گئے۔ علاقے پر سامانیوں کی حکومت تھی اور حسن بن قاسم اپنے لئے حمایت حاصل کرنے کے لئے جگہ جگہ اپنے داعی بھیجتے رہے تھے۔ چونکہ ابنِ فضلان اور اس کے ساتھی بخارا کے سامانی حاکم نصر بن احمد کے پاس جا رہے تھے اس لئے ان لوگوں کو خدشہ تھا کہ حسن بن قاسم کے داعی انہیں نقصان پہنچائیں گے لہٰذا انہوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنی شناخت کو چھپائے رکھا۔ حسن بن قاسم اپنے مشن میں کامیاب نہ ہو سکے اور سامانیوں کے خلاف لڑتے لڑتے میدانِ جنگ میں کام آئے اور اسی کے ساتھ ہی طبرستان میں علویوں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

3 **ابن قارن**۔ اس کا نام المازیار بن قارن یا العباس بن قارن تھا۔ قبیلہ بنی قارن کا کوئی اہم شخص تھا جو داعی الحق حسن بن قاسم کا نمائندہ بن کر ان کے لئے حمایت حاصل کرنے میں مصروف تھا اور جب ابنِ فضلان دامغان پہنچا تو یہ صاحب وہاں حسن قاسم الداعی کی دعوت لے کر پہنچے ہوئے تھے۔ چونکہ قسم خلیفہ المقتدر کا مخالف تھا اس لئے ابنِ فضلان کو احتیاط کی خاطر اپنے آپ کو چھپانا پڑا۔ ابن قارن بہت تند خو اور سخت گیر انسان تھا۔ لوگ اس سے نالاں تھے۔ اس کے بھائی فوہیار نے جو اس کی تند خوئی سے بیزار تھا اس کو پکڑوا دیا تھا۔ المقتدر نے اس کو سزا کے طور پر کوڑے لگوائے جس کی تاب نہ لا کر وہ مر گیا۔ رے کا شہر کوہِ بنی قارن سے متصل ہے۔ یہاں دریائے تجن کی ایک شاخ کے کنارے شاہزادگان بنی قارن کا ''فریم'' نامی محل واقع تھا۔

4 **نیشاپور**۔ خراسان کا بڑا شہر ہے۔ دامغان سے 79 فرسخ (447 کلو میٹر) کے فاصلہ پر واقع ہے جب ابنِ فضلان یہاں پہنچا تو یہاں سامانیوں کی حکومت تھی۔

5 **لیلیٰ ابنِ نعمان**۔ دیلمی علویوں کا حامی و طرفدار تھا۔ وہ اطروش کا پیروکار تھا۔ اطروش کی خدمت کی۔ پھر الحسن ابنِ القاسم الداعی کا ساتھ دیا اور دامغان اور نیشاپور کو فتح کیا۔ طوس کے مقام پر سامانیوں کے خلاف لڑتے ہوئے گرفتار ہوا اور ابنِ فضلان کے دامغان پہنچنے سے تھوڑے عرصے قبل 309ھ میں قتل کیا گیا۔

6 **حمویہ کوسا**۔ حمویہ بن علی 309ھ میں خراسان میں فوج کا سپہ سالار تھا اس سے پہلے وہ 301ھ میں سمرقند کا حاکم تھا امیرِ بخارا سامانی حکمران نصر بن احمد بن اسمٰعیل جو صغر سنی میں حکمران بن گیا تھا اس کے تخت و تاج کو محفوظ بنانے میں حمویہ بن علی اور الجیہانی کا ہاتھ تھا کہ ان دونوں نے مل درباری سازشوں کو ناکام بنایا تھا۔

پھر یہاں سے ہم ''سرخس ''[1] کے لئے روانہ ہوئےاوروہاں سے ''مرو''[2]اور''مرو'' سے ''قشمہان''[3]میں وارد ہوئے جو دشتِ آمل[4] کے کنارے پرواقع آخری شہر ہے۔دشت کو عبور کرنے سے پہلے ہم نے یہاں تین دن قیام کیاتاکہ ہمارے اونٹ آرام کرلیں۔پھرہم نے دشتِ آمل کو عبور کیا۔اس کے بعدہم دریائے جیحون[5] کو پار کرکے ''آفریر''[6]میں وارد ہوئے جہاں طاہرابنِ علی[7] کا رباط (قلعہ)واقع ہے۔

---

1 **سرخس** ۔ خراساں میں نیشاپوراور مروکے درمیان واقع ہے۔ان دونوں شہروں کے درمیان چھ منزل کا فاصلہ ہے۔نیاسرخس ایران اور ترکمانستان کی سرحدپرایران میں واقع ہے جبکہ قدیم سرخس ترکمانستان میں ہے۔

2 **مرو**۔ یہ شہر سرخس سے تیس فرسخ کے فاصلے پراور نیشاپور سے ستر فرسخ کے فاصلہ پروادی مرغاب میں واقع ہے۔یہ شہر خراساں اور ترکستان میں مسلمانوں کے ابتدائی دور میں فوجوں کا بڑامرکز ہوا کرتا تھا۔دسویں صدی عیسوی میں یہ شہر اپنی پارچہ بانی کی مصنوعات کے لئے ساری دنیامیں مشہور تھا۔

3 یہ قصبہ مروسے پانچ فرسخ کے فاصلہ پردشتِ قراقم کے کنارے واقع تھا۔دشت کوعبور کرنے والے کے لئےآمل آخری بستی تھی۔مرورزمانہ کے ساتھ ریگستان اس کو نگل گیا۔اب موجود نہیں ہے۔

4 **دشتِ آمل**۔اس کوآمل جیحون بھی کہا جاتاہے۔آمل شہر دریائے جیحون کے مغربی کنارے مروسے بخارا جانے والے راستہ پرواقع ہے۔یہاں سے دشت کو عبور کرنے کے لئے 31فرسخ(186کلومیٹر)سفر کرناپڑتاہے۔آج کل اس جگہ پر''چارسو''نامی شہرآباد ہے۔

5 **جیحون**۔ترک اس کوآمودریاکہتے ہیں۔اس دریاکے پار کے علاقے کواہل عرب ماوراءالنہر کہتے تھے۔اسلام سے پہلے ایران والے اس دریاکوایران وتوران کی سرحد قرار دیتے تھے۔

6 **آفریر**۔آفریریاآفرین یاآفریاریاآفریدنکاشہرآمل سے دشت کوعبور کرنے کے بعد مشرق میں پہلی بستی تھی جودریائے جیحون کے مشرقی کنارے پرآباد تھی۔

7 **رباط طاھرابنِ علی**۔اس جگہ کوآفریر بھی کہاجاتاتھاکسی زمانے میں جب یہ سرحدی علاقہ تھایہاں پرجہادی فوجوں کے قیام وآرام کے لئےایک محفوظ قلعہ تعمیر کیاگیاتھا۔یہ قلعہ طاہربن علی کے نام سے موسوم تھا۔

بخارا

آفریر سے ہم بیکند[1] کے لئے روانہ ہوئےاوراس کے بعد بخارا[2] میں داخل ہوئے جہاں ہم نے ''الجیہانی''[3] سے ملاقات کی جوامیر خراساں کاکاتب (سکریٹری)ہے اور جس کو خراساں میں ''شیخ العمید''[4] کے نام سے یاد کیاجاتاہے۔ شیخ عمیدنے ہمارے لئے ایک مکان کا انتظام کیا'ایک شخص کو ہماری خدمت پرمامور کیاتاکہ وہ ہماری ہرطرح کی ضروریات کاخیال رکھےاورہماری خواہشات کوپوراکرے۔ہم بخارامیں کئی روزمقیم رہے۔

پھرہم نے نصربن احمد[5] سے ملاقات کی اجازت چاہی تاکہ ہم اس کی خدمت میں پیش ہوسکیں۔ہمیں اذن حاضری ملاتوہم اسکی خدمت میں حاضرہوئے۔ہم نے اسے ایک بغیرداڑھی والانوجوان پایا۔جب ہم اس کی خدمت میں پہنچے توہم نے اسے سلام کیا۔اس نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔اس نے جو پہلی ہم سے کی وہ یہ تھی:

''تم میرے مولاامیرالمومنین 'کو کس حال میں چھوڑآئے ہو۔اللہ انہیں'ان کے جوانوں اوردوستوں کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔کیا وہ خیریت سے ہیں؟''

ہم نے جواب دیا''وہ خیروعافیت سے ہیں'خوش وخرم ہیں''

وہ بولا''اللہ ان کی خوشیوں کو دوبالاکرے''

---

1 بیکند۔بیکند دریائے جیحون اور بخارا کے درمیان ایک منزل کی مسافت پر واقع ہے۔یہ ایک قدیم شہر تھااوراپنے زمانے کامشہور تجارتی مرکز تھا۔آفریر سے اس کا فاصلہ 12 فرسخ تھا۔یہ شہر ایک ہزاراور بعض دیگر روایات کے مطابق تین ہزار رباط سے گھرا ہوا تھا۔اب ویران پڑا ہے۔

2 موجودہ ازبکستان کا شہرۂ آفاق شہر بخارا۔بیکند سے بخارا کی شہر پناہ کا فاصلہ دو فرسخ (12-کلومیٹر) تھا۔قدیم ترین شہروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔یہ سامانی سلاطین کا پایہ تخت تھا۔یہاں سے سمرقند آٹھ دن کی مسافت پر واقع ہے۔جب ابنِ فضلان یہاں پہنچاتواس وقت بخارامیں نصربن احمد سامانی حکمران تھا۔اسلامی علوم وفنون کے مرکز کے طور پر یہ شہر روس کے اشتراکی نظام کے نفاذ سے پہلے سارے عالم اسلام میں ممتاز تھااوراس کو''بخاراشریف''کہاجاتاتھا۔

3 ابوعبداللہ محمدبن احمدالجیہانی خراساں کے سامانی بادشاہ کاوزیر تھا۔جغرافیہ نگار تھا۔''المسلک والممالک''نامی جغرافیہ کی کتاب اس کی شہرۂ آفاق تصنیف تھی جواب مفقود ہے۔اپنے علم وفضل کے باعث اسے شیخ العمید کہاجاتاتھا۔بخارا کا بادشاہ جوامیر کہلاتاتھاصغر سنی (8 برس کی عمر) میں تخت پر بیٹھاتھا۔خراسان میں عرب فوج کے سپہ سالار حمویہ بن علی کی معاونت سے جیہانی نے ہی نصربن احمد کو تخت پر بٹھایا۔اوراس کے نام پر کئی برس حکومت کی۔

4 الشیخ العمید۔یہ ایک تعظیمی خطاب تھاجو سامانی'غزنوی اور سلجوقی سلاطین اعلیٰ افسروں اور قابل تعظیم امیروں اور سرداروں کاعطاکیاکرتے تھے۔

5 نصربن احمد۔بخارا کا سامانی حکمران۔نصراپنے باپ امیر بخاراا حمد بن اسمٰعیل کی وفات کے بعد 301ھ (914ء) میں آٹھ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔لہٰذاابنِ فضلان کی بخارا آمد کے وقت وہ بمشکل 16 یا 17 برس کا ہوگا۔نصرنے 301ھ سے 331ھ یعنی کل بیس سال حکومت کی جس میں سے ابتداء کے کئی برس مشہور جغرافیہ داں ابوعبداللہ محمد بن احمد الجیہانی اس کے نام پر حکومت کرتارہا۔سامانی حکمران خود مختار تھے مگر خلیفۂ وقت سے سند حکمرانی حاصل کرتے تھے۔

ان تعارفی کلمات کے بعداحمدبن نصرکوخلیفہ کا خط پڑھ کرسنایاگیاجس کا مضمون یہ تھاکہ ''الفرات کی ارتخشمثین[1] والی جاگیر (ضَیْعَہ) کاقبضہ الفرات کے وکیل فضل بن موسیٰ نصرانی[2] سے لے کراحمد بن موسیٰ الخوارزمی[3] کو دے دیا جائے اورفضل بن موسیٰ نصرانی سے انتقال ملکیت کی رسید لے کراسے بھی خوارزمی کے حوالے کردی جائے۔اورہمیں (سفارت کو)ایک خط کے ساتھ خوارزم روانہ کردیاجائےجس میں حاکم خوارزم کویہ تاکیدکی جائے کہ ہمارے(سفارت کے)سفرکی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہونے دے۔اوریہ کہ باب الترک کے کمانداروں سے کہاجائے کہ وہ اس سفارت کو ہرطرح کا تحفظ فراہم کریں اوراس بات کا خیال رکھے کہ سفارت کی کامیابی کی راہ میں کسی طرح کی رخنہ اندازی نہ ہونے پائے''۔

نصربن احمدنےدریافت کیا''احمدبن موسیٰ کہاں ہے؟''

ہم نے جواب دیا''ہم اسے مدینۃ السلام میں چھوڑ آئے ہیں۔اسے ہماری روانگی کے پانچ دن بعد روانہ ہوناتھا''۔

وہ بولا''میرے آقاومولاامیرالمومنین کافرمان سرآنکھوں پر۔اللہ ان کی عمردراز کرے۔''

جب الفرات کے وکیل فضل بن موسیٰ نصرانی کو پہنچی کہ احمدبن موسیٰ ابھی تک یہاں نہیں پہنچاہےتواس نے احمدبن موسیٰ کےخلاف ایک چال چلی۔اس نے سرخس[4]کے فوجی علاقےسے بیکندجانےوالےراستے کی حفاظت پرماموراہل کاروں کولکھا کہ: کارواں سراؤں اورفوجی چوکیوں پرجاسوس چھوڑ دیئے جائیں جو احمد بن موسیٰ الخوارزمی

---

1 ارتخشمثین۔ابوالحسن علی بن محمد بن فرات سابق وزیرالمقتدر کی جاگیر تھی۔یہ اپنے زمانے میں خوارزم کاایک بڑاشہر تھا۔جو جرجانیہ کے جنوب میں دومنزل کی مسافت پرواقع تھا۔ابنِ فضلان کے زمانے میں یہ بڑاخوش حال شہر تھا۔یہاں کے بازارہرطرح کی اشیاءسے بھرے ہوتے تھے۔جب المقتدر نے 306ھ میں ابنِ فرات کو دوسری مرتبہ وزارت سے معزول کیاتواس کی یہ جاگیر بھی ضبط کرلی تھی۔لیکن غالباًاس کاقبضہ ابھی تک ابن فرات کےآدمی کے پاس تھا۔

2 فضل بن موسیٰ نصرانی۔خوارزمی عیسائی تھا۔اس علاقے میں ابھی تک عیسائی باقی تھےاوراچھے عہدوں پرفائزتھے۔ابنِ فرات ایک بااثرامیر تھا۔ابنِ فضلان کے سفرسے چندبرس پہلے اسے معزول کیاگیاتھامگرچندبرس بعد پھرتیسری باروزیربننے والا تھا۔اتنے بااثراورصاحب منصب آدمی کاوکیل(ناظم)ہوناباذاتِ خود بڑی حیثیت کی بات تھی۔چنانچہ اپنی حیثیت سے فائدہ اُٹھاکراس نے سفارتی وفد کے رکن احمدبن موسیٰ کو پکڑواکروہ رقم صقالبہ جانے سے روک دی جواحمدبن موسیٰ اپنے ساتھ لایاتھااورجوبغداد سے سفارت کی روانگی کے پانچ دن بعد چلاتھااورجس کاپروگرام کے مطابق باقی لوگوں کے ساتھ آکرمل جاناتھا۔اس کی گرفتاری کے باعث ابنِ فضلان وہ چارہزاردینار اپنے ساتھ نہ لے جاسکاجس کاذکرالمقتدر کے خط میں کیاگیاتھا۔

3 احمدبن موسیٰ الخوارزمی۔اس شخص کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون تھا۔قیاس کہتاہے کہ وہ حکومت عباسیہ کاکوئی اہل کار تھا۔چونکہ ابن فرات کی جاگیر حکومت نےضبط کرلی؛ی تھی تواس کاقبضہ کسی سرکاری افسرکے حوالے ہی ہوناتھا۔

4 سرخس ۔ خراساں میں نیشاپوراورمروکے درمیان واقع ہے۔ان دونوں شہروں کے درمیان چھ منزل کافاصلہ ہے۔نیاسرخس ایران اورترکمانستان کی سرحدپرایران میں واقع ہے جبکہ قدیم سرخس ترکمانستان میں ہے۔

کا کھوج لگائیں۔اس شخص کا حلیہ ایسا ایسا ہے اور وہ اس اس قدوقامت کاہے۔جو شخص اسے دیکھے اسے گرفتار کرلے اوراس وقت تک حراست میں رکھے جب تک پکڑنے والے کو ہماری طرف سے ہدایت موصول نہ ہوجائے۔''احمد بن موسیٰ کو مرو میں گرفتار کرکے حراست میں لے لیاگیا[1]۔ ہم بخارا میں 28 دن قیام پذیر رہے۔فضل بن موسیٰ نصرانی نے عبداللہ ابن باشتواور ہمارے دیگر ہمراہوں کے ساتھ مل کر سازش کی۔اس نے کہاکہ اگرہم بخارامیں زیادہ دیر مقیم رہے توجلد ہی سردی کا موسم شروع ہوجائے گااورہم خوارزم[2]میں نے بخارامیں کئی اقسام کے درہم دیکھے۔ایک درہم ''غطریفی''[3]پہنچنے کاموقعہ کھودیں گے۔رہااحمد بن موسیٰ کا معاملہ تووہ اپناکام پوراکرکے ہمارے ساتھ آملے گا۔

ابنِ فضلان نے کہا:

میں نے بخارامیں کئی اقسام کے درہم دیکھے ایک درہم غطریفی کہلاتاہے جو بناتوتانبے کا ہوتاہے مگربظاہر سونے کادکھائی دیتا ہے۔کچھ درہم پیتل کے بنے ہوتے ہیں۔ان درہموں کو بغیروزن کئے قبول کرلیاجاتاہے۔ایک نقری درہم میں پیتل کے ایک سو درہم مل جاتے ہیں۔بخارا میں شادی بیاہ کے موقعہ پر عورتوں کا مہرغطریفی درہم میں ہی یوں مقرر کیاجاتاہے:''پسر فلاں ابن پسر فلاں کی شادی دخترفلاں کے ساتھ بہ عوض اتنے غطریقی درہم قرارپائی''۔

جائیداد اورغلاموں کی خریدوفروخت بھی اسی درہم میں ہوتی ہے۔لین دین کے معاملات میں غطریقی درہم کے سواکسی اوردرہم کا ذکرنہیں ہوتا۔دیگراقسام کے درہم خالص پیتل میں ڈھالے جاتے ہیں۔ایک ''دانق''میں اس

---

1 **اصل سازش** یہ تھی کہ سفارت کو ناکام بنایاجائے۔اگرابنِ فضلان اوراس کی جماعت کواحمد بن موسیٰ کے انتظار میں زیادہ دن ٹھہرارہنے دیاجاتاتوانہیں معلوم ہوجاتاکہ احمد بن موسیٰ فضل نصرانی کی قید میں ہے اوراس کو چھڑوالیاجاتااوروہ رقم جواس کے پاس تھی ابنِ فضلان اپنے ساتھ لے جاتااورشاہِ صقالبہ کے سامنے شرمندگی نہ اٹھاناپڑتی جوچارہزاردینارشاہ صقالبہ کونہ دینے کے باعث اٹھاناپڑی۔فضل نصرانی نے یہ خوف دلاکرکہ اگروہ جلدروانہ نہ ہوئے توموسم نامہربان ہوجائے اوروہ ترک علاقے میں داخل نہ ہوسکیں گے۔اس تاخیر کے باعث اس سفارت کے وقت پر صقالبہ نہ پہنچنے کاخدشہ تھا۔لہٰذااحمد بن موسیٰ کاانتظار کئے بغیراگلے سفر کوروانہ ہوگئی۔

2 **خوارزم** ۔خوارزم ایک علاقے کانام بھی تھاجوارض خوارزم کہلاتاتھااورایک شہر بھی اس نام کا تھااورایک شہر بھی اس نام کاتھا۔''خوار''کامطلب گوشت اور ''رزم''کے معنی نان(روٹی)=گوشت روٹی۔

3 **غطریفی درھم** ۔آٹھویں صدی عیسوی کے آخر میں خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں بخاراکے پرانے سکے بازارسے غائب ہوگئے۔ان کی جگہ خوارزم کے درہم رائج کئے گئے مگر بخاراوالوں نے ان کو قبول نہیں کیااور بخاراکے گورنرغطریف بن عطاالکندی پرزوردیاکہ وہ بخاراکا نیاسکہ جاری کرے جوشکل میں بخاراکے پرانے درہم جیسا ہوجو632عیسوی میں جاری ہواتھااور خالص چاندی کابناہواتھا۔چونکہ غطریف کے زمانے میں چاندی مہنگی ہوگئی تھی غطریف نے اہل شہر کے مشورہ سے چھ مختلف دہاتوں یعنی سونا،چاندی،سیسہ،قلعی،لوہااورتانباکی آمیزش سے نیادرہم بنایااوراس کانام غطریف کے نام پر غطیفی درہم رکھاگیا۔ابتدامیں سیاہ رنگت کے چھ غطریفی درہم خالص چاندی کے ایک درہم کے برابرتھے۔رفتہ رفتہ خالص چاندی کادرہم درہم غطریفی درہم کے برابرہوگیااور پھرایک سونقری درہم85غطریقی درہم کے برابرہوگئے۔

طرح کے چالیس درہم مل جاتے ہیں۔ایک اوردرہم بھی ہے جو''سمرقندی''یا سمرقندیہ کہلاتاہے۔اورایک ''دنق''[1]چھ سمرقندی درہم کے برابرہوتاہے۔

خوارزم

جب میں نے عبداللہ بن باشتواوردوسرے ساتھیوں سے یہ بات سنی کہ زمستان کا حملہ ہونے والاہے توہم بخاراسے روانگی کے ئے فوراًتیارہوگئے۔اوربخاراسے چل پڑے۔دریاکے کنارے پہنچ کرہم نے خوارزم جانے کے لئےایک کشتی کرایہ پرلی۔جس جگہ ہم نے کشتی کرایہ پرلی وہاں سے خوارزم کا فاصلہ دوسوفرسخ [2]سے زیادہ ہے۔سردی کی شدت کے باعث پورادن سفرکرناممکن نہیں تھا۔ہم دن کے صرف ایک حصے میں سفرکرکے خوارزم پہنچے۔یہاں ہم خوارزم کےامیر''محمدبن عراق خوارزم شاہ''[3]سے ملے۔

اس نے ہمیں عزت بخشی اورہماری پذیرائی کی۔گرم جوشی کے ساتھ ہمارااستقبال کیااوررہنے کے لئے مکان دیا۔تین دن کے بعداس نے ہمیں اپنے حضورطلب کیااورترک علاقے میں داخل ہونے کے مسئلے پربحث۔اس نے کہا''میں تم لوگوں کوترک علاقے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دوں گا۔میں اس بات کو مناسب نہیں سمجھتاکہ تم لوگ اپنی جان کو خطرے میں ڈالوکیونکہ میں جانتاہوں کہ یہ ایک سازش ہے جو اس غلام یعنی تکین نے تیارکی ہے یہ شخص کبھی ہمارے یہاں لوہارکا کام کرتاتھا۔اس کام میں مہارت حاصل کرنے کے بعداس نےکافروں کے علاقے میں کام شروع کیا۔اوراب بھی یہی کام کرتاہے۔یہی وہ شخص ہے جس نے نذیرکوفریب دیااوراسے امیرالمومنین سے رابطہ پیداکرنےاور صقالبہ کے بادشاہ کا خط امیرالمومنین کی خدمت میں پہنچانے پر اکسایا۔ حالانکہ امیرالاجل یعنی امیرخراساں اس بات کا زیادہ حقدارہے۔اس کےعلاوہ تمہارے اوراس ملک کے درمیان جس کا تم ذکرکررہے ہو(یعنی

---

[1] ایک درہم کے چھٹے حصے کے برابرکاسکہ۔۔ایک دانق کاوزن دوقیراط تھا۔

[2] فرسخ۔ایک فرسخ5،980کلومیٹرکے برابرہوتاہے۔

[3] محمدبن عراق خوارزم شاہ۔خوارزم کے حکمرانوں کالقب قبل ازاسلام خوارزم شاہ ہوتاتھااوراسلام کے بعد بھی وہاں کے گورنراورامیرخوارزم شاہ ہی کہلاتے تھے۔محمدبن عراق خودمختارامیرنہیں تھابلکہ وہ خوارزم کاوالی(گورنر)تھا۔آگے چل کرتیرہویں صدی میں خوارزم ایک وسیع آزادخودمختارسلطنت بن گئی جس کوچنگیزخان تباہ کردیاتھا۔

صقالبہ)کافروں کے ایک ہزار قبائل آباد ہیں۔امیرالمومنین کے سامنے حقائق کوغلط طورپر پیش کیاگیاہے۔میں نے تمہیں صائب مشورہ دیاہےاوراس لئے یہ لازم ہے کہ امیرالاجل امیر خراساں کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجاجائےاوران سے درخواست کی جائے کہ وہ امیرالمومنین ایدہ اللہ سے تحریری طورپر اس معاملے پر صلاح مشورہ کریں۔لہٰذا جب تک ان کا جواب نہیں آجاتاآپ لوگ یہیں رُکے رہیں۔

اس روز توہم اس کے پاس سے چلے آئے مگردوسرے دن پھر اس کے پاس گئے اور بڑےادب کے ساتھ گزارش کی اور خوشامدانہ اندازمیں اس سے کہا"یہ امیرالمومنین کا حکم ہےاورامیرالمومنین کےمکتوب کی موجودگی میں اس سلسلے میں کسی اورکی طرف سے مزیدمراسلت کی کیاضرورت ہے۔اس کے سامنے ہم اپنامعاملہ اس وقت تک بہ اصرار پیش کرتے رہےجب تک کہ اس نےہمیں سفرجاری رکھنے کی اجازت نہ دے دی۔

خوارزم سے ہم جرجان(جرجانیہ)[1]کےلئے روانہ ہوئے۔اوردریاکےراستے سے خوارزم اور جرجان کےدرمیان پچاس فرسخ فاصلہ ہے۔

میں نے خوارزم میں کئی اقسام کےدرہم دیکھےجن میں کچھ توکھوٹے تھے،کچھ سیسے کے بنے ہوئے تھے،کچھ جعلی تھے اور کچھ پیتل کےبنےہوئے تھے۔یہاں درہم کو "طازجہ"[2]کہاجاتاہےاوراس کا وزن ساڑھے چار رونق ہوتاہے۔یہاں سکوں کا لین دین کرنےوالے صراف کعاب[3](مہرے)بچوں کےکھیلنے کے لٹواوردرہم بیچتے ہیں۔یہاں کےلوگوں کاطرزتکلم اوراخلاق انتہائی وحشت انگیزہے۔اورباتوں کے علاوہ ان کی بولی ایسی ہےجیسے درختوں پربیٹھے ہوئے پرندے شورمچاتے ہیں۔

---

1 جرجانیہ یاجرجان یاگرجان۔ابنِ فضلان کے زمانے میں جرجانیہ ایک بہت بڑاشہر تھا۔بہت بڑاتجارتی مرکز تھا۔مشرقی یورپ کوجانےوالے تجارتی کارواں یہیں سے روانہ ہواکرتے تھے۔تجارتی گہماگہمی کے باعث یہاں کےلوگ خوشحال تھے۔اس کے عروج کازمانہ وہ تھاجب سلطنت خوارزم کے حکمران نےجوخوارزم شاہ کہلاتے تھےاس کواپنادارالحکومت بنایا۔چنگیزخان نےاس خوبصورت شہر کوتباہ کردیاتھا۔اس کی جگہ اب ترکمانستان کاشہر"کنیہ اُرگینچ"(Kunya Urgench)آبادہے۔

2 طازجہ۔خوارزم کاایک پراناسکہ جواسلامی دورمیں بھی زیرِاستعمال رہا۔

3 کعاب۔سکوں کاکاروبارکرنےوالے،موجودہ دورکے منی چینجر،مختلف اقسام کے سکوں کالین دین کرنے کے ساتھ ساتھ چوسراوراسی قسم کے دوسرے کھیلوں میں استعمال ہونےوالے مہرےاوربچوں کے کھلونے بھی بیچاکرتے تھے۔اس سے معلوم ہوتاہے کہ اس علاقہ میں جوابہت کھیلاجاتاتھا۔

اس علاقے میں ایک گاؤں ہے جو جرجانیہ سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے، جسے ''اردکو''[1] اور اس کے مکینوں کو ''کردلیہ'' کہتے ہیں۔ان لوگوں کی بولی مینڈک کے ٹرانے سے مشابہت رکھتی ہے۔یہ لوگ ہر نماز کے بعد امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اپنی براءت کا اظہار کرتے ہیں[2]۔

جرجان

جرجانیہ میں ہم کئی دن ٹھہرے رہے کیونکہ دریائے جیحون میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک برف جمی ہوتی تھی ۔برف کی تہہ بہت دبیز تھی، کوئی سترہ بالشت موٹی۔گھوڑے، خچر، گدھے اور گاڑیاں اس کی سطح پر اس طرح گزرتی تھیں جیسے کہ وہ عام سڑک پر چلتی ہیں۔برف بڑی سخت جمی ہوئی تھی۔کہیں پر بھی نرم نہیں تھی۔یہ حالت کوئی تین مہینے تک قائم رہتی ہے۔

یہاں ہم نے ایسا علاقہ دیکھا جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، صرف قیاس کر سکتے ہیں۔جب وہاں پہنچے تو یوں لگا جیسے زمہریر[3] کا دروازہ کھل گیا ہے۔یہاں برف باری ہوتی ہے تو بادوباراں کا طوفان ضرور آتا ہے۔اس کے بغیر یہاں برف نہیں پڑتی۔اس موسم میں اگر کوئی شخص اپنے کسی دوست کی ضیافت کرنا چاہتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے کہ ''میرے گھر چلو، وہاں بیٹھ کر باتیں کریں گے کیونکہ میرا گھر خوش گوار حد تک گرم ہے۔وہ اپنے دوست کو دعوت صرف اس صورت میں دیتا ہے جبکہ وہ اپنے دوست پر مہربانی کرنا چاہتا ہو اور اس کو خاص لطف وکرم سے نوازنا چاہتا ہے۔اللہ کا ان لوگوں پر بڑا کرم ہے کہ انہیں جلانے کے لئے لکڑی وافر مقدار میں میسر ہے اور نہایت ارزاں قیمت پر ملتی

---

1 اردکو۔یہ بستی جرجانیہ سے جنوب کی جانب نیشاپور کو جانے والے راستے پر واقع تھی۔

2 وھم یتبرون من امیر المومنین (علی بن ابی طالب) رضی اللہ عنہ

3 زمھریر۔انتہائی شدید سردی۔

ہے۔گاڑی بھرتاغ (طاغ)[1] کی سوختنی لکڑی جس کا وزن تقریباً تین ہزار رطل[2] ہوتاہے ان کے دودرہم میں آجاتی ہے۔

یہاں گداگروں کا چلن کچھ اس طرح سے ہے: گداگرگھر کے باہر دروازے پر کھڑا نہیں ہوتابلکہ وہ دروازے کے اندر آجاتا ہے۔آتے ہی آگ تاپنے کے لئے چولہے کے سامنے بیٹھ جاتاہے۔جب وہ اپنے جسم کو اچھی طرح سے گرم کرلیتاہے توصاحب خانہ سے کہتاہے''پکند''یعنی روٹی ،اگراسے کچھ روٹی دیدی جائے تو وہ لےلیتا ہے ورنہ آگ تاپنے کے بعد باہر نکل جاتاہے[3]۔

جرجانیہ میں ہماراقیام طویل ہوگیا۔ہم نے یہاں پرماہِ رجب کے کچھ دن اورشعبان،رمضان اورشوال کے مہینے گزارے۔ اس طویل قیام کی وجہ یہ تھی کہ ان مہینوں میں بلاکی سردی پڑرہی تھی۔سردی کی تندی اورتیزی کااندازہ اس بات سےلگایئے کہ مجھے بتایاگیاکہ دوآدمی سوختی لکڑی لانےکےلئے جنگل میں گئے۔ان کے پاس بارہ اُونٹ تھے۔مگروہ چقماق اورآگ جلانےکا دوسراسامان اپنے ساتھ لے جانابھول گئے۔ان چیزوں کےبغیروہ آگ نہ جلاسکےاورانہیں آگ کے بغیررات گزارناپڑی۔سردی کی شدت کے باعث دونوں آدمی اورسارے اُونٹ اکڑکرمرگئے[4]۔

میں نے دیکھاکہ شدیدسردی کے باعث کوچہ وبازارویران ہوجاتے ہیں اور کہیں کوئی بندہ نظرآتاہے اورنہ کوئی جانور۔جب بھی میں حمام سے باہرآتااور اپنےگھرمیں داخل ہوتااوراپنی داڑھی کو ہاتھ لگاتاتومعلوم ہوتاکہ میری داڑھی پربرف جم چکی ہےاورمیں جلدہی آگ کےسامنے بیٹھ کر اپنی داڑھی کو درست کرتا۔

میری رہائش ایک ایسے کمرے میں تھی جوایک بڑے گھرکے اندربناہواتھا۔یہ ایک ترکستانی طرزکا بناہواخیمہ تھا جو نمدے کا بناہواتھا۔اگرچہ میں اوپرتلے کئی کپڑے پہنے رہتا تھااورسموراورغالیچے میں لپٹارہتاتھاپھر بھی رات میں سوتے ہوئے سردی کے باعث میرے رخسارتکیے کے ساتھ چپک جاتےتھے[5]۔

---

1 تاغ۔ایندھن کے طورپراستعمال ہونے والی لکڑی۔

2 رطل۔ناپ تول کاپیمانہ جوآدھ سیر کے برابرہوتاتھا۔اس حساب تقریباً37یا38من سوختی لکڑی کی قیمت صرف دودرہم تھی۔

3 اس سے ظاھر ہوتاہے کہ جرجانیہ کےلوگ اپنے گھروں کے دروازے کھلے رکھتے ہیں اورضرورت مند باہر کھڑاہوکرآواز لگانے کی بجائے گھرکے اندر گھس جاتاتھا۔

4 یہ علاقہ قریب قریب45عرض البلدپرواقع ہے۔اس منطقے میں شدید سردی پڑتی ہے۔پاکستان میں جہاں درجہ حرارت صفرڈگری سے شاذہی نیچے جاتاہے،بہت سےلوگ سردی سےاکڑکرمرجاتے ہیں،علاقہ زیرِنظرمیں تودرجہ حرارت نقطہ انجماد سے کہیں نیچے ہوتاہے۔

5 زیادہ ٹھنڈك بھی گوندکاکام دیتی ہے۔مشہورجغرافیہ نویس یاقوت حموی نےاس علاقہ کادورہ کرنے کے بعد لکھاتھاکہ میرے قلم کی سیاہی جم گئی اورپانی ہونٹوں پر چپک کررہ گیا۔غالباًیہ مبالغہ ہولیکن سردعلاقوں میں ایساہوتاہے۔

میں نے دیکھاکہ سردی کے اس موسم میں مٹی کے بڑے بڑے گھڑوں کو بھیڑ کی کھال سے ڈھانپ دیاجاتاہے تاکہ وہ سردی کی شدت کے باعث ٹوٹ پھوٹ کا شکارنہ ہوجائیں یاان میں دراڑیں نہ پڑجائیں۔مگرگھڑے پھر بھی پھٹ جاتے[1]۔

میں نے دیکھاکہ سردی کی شدت کی وجہ زمین میں جگہ جگہ دراڑیں پڑجاتی ہیں اور برف جانے کے باعث ندی نالے خشک ہوجاتے ہیں۔میں نے یہ دیکھا کہ سردی کی شدت کے سبب ایک تناوربوڑھادرخت ٹوٹ کر دوحصوں میں بٹ کر گرگیا[2]۔

ماہ شوال 309ھ کے وسط میں موسم بدلناشروع ہوا۔دریائے جیحون میں جمی ہوئی برف پگھلنے لگی توہم نے سفر کی تیاریاں شروع کیں اورضروری سازوسامان خریدنااورذخیرہ کرناشروع کیا۔ہم نے ترکی النسل کےاُونٹ خریدے،اُونٹ کی کھال کی بنی ہوئی کشتیاں خریدیں تاکہ ان کے ذریعہ سےترک علاقےمیں واقع دریاؤں کوعبورکیاجاسکے۔ان کے علاوہ ہم نے تین ماہ کی ضرورت کے لئے روٹی،اناج اورخشک نمکین گوشت [3]کا ذخیرہ کیا۔

شہرکےجن لوگوں سےہمارےدوستانہ مراسم ہوگئے تھےانہوں نے مشورہ دیابلکہ ہدایت کی کہ ہم اشیائے خوردنی کے علاوہ ضرورت کے ملبوسات بھی معقول تعدادمیں اپنے ساتھ لے جائیں۔انہوں نے ہمارے سامنے آنے والے دنوں میں پڑنے والی سردی کی تندہی وتیزی کا کچھ اس انداز سے ذکرکیاکہ ہم خوف زدہ سے ہوگئے۔ہم نے سمجھا کہ یہ لوگ مبالغہ سے کام لےرہے ہیں لیکن جب موسم سے واسطہ پڑاتومعلوم ہواکہ انہوں نے ہمیں جتناڈرایاتھامعاملہ اس سے کہیں زیادہ گھمبیر تھا۔

روانگی سے قبل ہم نے جولباس زیب تن کیا وہ اس طرح سے تھا"ہرایک نےایک قرطق [4]پہنا۔اس کے اُوپرایک جلیقہ [5]اوراس کے اوپرایک عددپوستین اوران سب کے اوپرایک لبادہ جس کو"برنس"کہتے ہیں۔زیریں حصے

---

1 مٹی کے گھڑے میں اگرپانی جم جائے توگھڑایقیناً پھٹ جاتاہے۔شیشے کے برتن میں بھی برف جم جانے سے برتن ٹوٹ جاتاہے۔

2 کچھ درخت ہوتےہیں جوسردی کی شدت سے ٹوٹ جاتے ہیں۔لیکن ان سرد علاقوں میں بالعموم جودرخت ہوتے ہیں وہ سردی کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

3 عربی ۔متن میں "النمکسوذ" ہے۔بھیڑ کابےہڈی والا گوشت۔اس گوشت کو اس کی چربی میں پکاکر سرخ کرلیتے ہیں اور حسب ذائقہ نمک لگاکررکھ لیتے ہیں اور موسم سرمامیں اس کواستعمال کرتے ہیں۔

4 قرطق۔کرتا

5 جلیقہ۔کفتان یاخفقان

میں سروال [1]اوراس کے نیچے معمولی سازیرجامہ۔پاؤں میں عام گھریلواستعمال کے جوتےاورجوتوں کےاوپرلمبےچری جفت۔اس لباس کو پہن کراُونٹ پرسوار ہوجانا توزیادہ مشکل نہیں مگراُونٹ کے اوپربیٹھ کر حرکت کرنایااترناکافی دشوارکام ہوتاہے۔

بغدادسے جوفقہاء اورمعلمین اورغلام ہمارے ساتھ آئے تھے وہ ہم سےرُخصت لےکریہیں (جرجانیہ میں)رُک گئے کیونکہ یہ لوگ ترک علاقے میں داخل ہوتے ہوئے ڈر رہے تھے۔یہاں سے میں سفیرصاحب ،اس کے برادرنسبتی اوردونوں غلاموں یعنی تکین اوربارس کے ساتھ اگلے سفرپرروانہ ہوا[2]۔جب قافلہ روانہ ہونےلگاتومیں نے ان سے کہا:''اے لوگو! بادشاہ کا غلام تمہارےساتھ ہےاور اسے تمہارے حالات و معاملات کا پوری طرح سے علم ہے،سلطان (خلیفہ المقتدر)کےخطوط تمہارے پاس ہیں اورمجھے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے ان خطوط میں شاہ صقالبہ کے لئے چارہزاردینا''دینارالمسیبیہ''[3]کاذکرہے۔آپ ایک غیرعرب بادشاہ کی طرف جارہے ہیں اوروہ ہم سے اس کا (یعنی چارہزاردینارکا)تقاضاکرے گا(کیونکہ امیرالمومنین کے مکتوب میں شاہ صقالبہ کےلئے چارہزاردینارکی رقم بھیجنے کا ذکرہے)اس کے جواب میں انہوں نے یعنی سفیر اور اہل سفارت نے کہا''تم اس کی فکرمت کرو۔وہ ہم سے اس رقم کا تقاضا نہیں کرےگا۔''میں نے انہیں خبردارکیا:مجھے معلوم ہے کہ وہ تم سےاس کا ضرورمطالبہ کرےگا۔مگرانہوں نے میرےانتباہ پر کوئی کان نہیں دھرا۔

جرجانیہ سےروانگی

کارواں کاسازوسامان سب اچھی حالت میں تھا۔ہم نے جرجانیہ کے لوگوں میں سےایک شخص کوجس کانام''قلواس'' تھا اپنی رہبری کے لئے ساتھ لےلیا۔پھرہم نے توکل علی اللہ دوشنبے (اتوار)کے دن ذیقعدہ309ھ[4]کوجرجان سےاپنے سفرکاآغازکیا۔

---

1 سروال۔شلوار۔فارسی لفظ شروال کامعرب جمع سراویل

2 بغداد سے جرجانیہ تک کاسفرانہوں نے تنہاکیا۔جرجانیہ سےآگے کاسفرکاروان کے ساتھ کیا۔یہ کاروانِ تجارت تھاجس میں ہزاروں افراد جن میں تاجراوران کے کارندے شامل تھےاوراتنی یااس سے بڑی تعداد میں گھوڑےاوراونٹ تھے جن پرمال تجارت لداہواتھا۔ابنِ فضلان کےاس بیان سے معلوم ہوتاہے کہ سفارت میں صرف پانچ آدمی باقی رہ گئے تھے۔ایک وہ خود،ایک سفیرالرسی،سفیرکابرادرنسبتی،تکین اوربارس۔اس سے پہلے سفیرکے برادرنسبتی کاکہیں ذکرنہیں ہوا۔

3 مسیبیہ یا مسیبی دینار ۔ یہ سکہ اسلامی دور میں ڈھالاگیاتھا۔اس کا اجراء ماورالنہرکے ایک مسیّب نے خلیفہ المہدی (158تا169ھ مطابق 775تا785ء)کے دورمیں کیاتھا۔

4 4مارچ922ء

جرجان سے روانہ ہو کر ہم ''زمجان''[1] نامی رباط (قلعہ) پہنچے جو ترک کے دروازہ (باب الترک) کے قریب واقع ہے۔ یہاں سے ہم دوسرے دن روانہ ہوئے اور ''جیت''[2] نامی مقام پر جا کر قیام کیا۔ یہاں اتنی شدید برفباری ہوئی کہ ہمارے اُونٹ گھٹنوں گھٹنوں برف میں دھنس گئے۔ لہٰذا ہمیں دو دن کے لئے اسی مقام پر قیام کرنا پڑا۔

جیت سے روانہ ہو کر ہم ترک علاقے میں داخل ہوئے اور سفر کرتے ہوئے کافی اندر تک چلے گئے۔ یہاں کے غیر آباد، بنجر مگر ہموار میدانی علاقوں دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آیا۔ مسلسل برفباری اور کڑی سردی کے باوجود ہم اس علاقے میں دس دن تک سفر کرتے رہے۔ خوارزم کی سردی تو یہاں کے موسم گرما کے موسم جیسی لگی۔ چنانچہ ہم وہ تمام کلفتیں اور سختیاں بھول گئے جن کا ہمیں اب سے پہلے واسطہ پڑا تھا کیونکہ اب تو ہم تباہی کے دہانے پر پہنچے ہوئے تھے۔

ایک دن ہم انتہائی سردی کے موسم میں سفر کر رہے تھے اور تکین اپنے گھوڑے پر سوار میرے پہلو میں چل رہا تھا۔ تکین کے برابر میں ایک ترک گھڑ سوار چل رہا تھا۔ دونوں اپنی زبان (ترکی) میں باتیں کر رہے تھے کہ تکین نے اچانک قہقہہ مارا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا ''اور دریافت کیا کہ کیا بات ہے، یہ ترک تم سے کیا کہہ رہا ہے''۔ تکین نے جواب دیا ''یہ ترک تم سے پوچھ رہا ہے کہ خداوند کیا چاہتا ہے تو یقیناً ہم ان کی خدمت میں نذر پیش کر دیں''

میں نے تکین سے کہا ''اس ترک سے کہو کہ اللہ چاہتا ہے کہ تم ''لاالٰہ الااللہ'' کہو۔

اس پر وہ ترک ہنسا اور بولا ''اگر ہم جانتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو ہم یقیناً لاالہ الااللہ کہہ دیتے''۔

اس کے بعد ہم ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں تاغ (طاغ) لکڑیوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ ہم یہاں پر رُک گئے۔ کارواں والوں نے آگ روشن کی؛ الاؤ دہکایا، ہم سب نے آگ تاپی، اپنے کپڑے اتارے اور انہیں سکھانے کے لئے پھیلا دیا۔

پھر ہم یہاں سے روانہ ہوئے اور بغیر قیام کئے چلتے گئے۔ ہم آدھی رات کو سفر کا آغاز کرتے اور ظہر کی نماز کے وقت تک سفر کرتے۔ ظہر کے بعد زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کرنے کی غرض سے تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرتے اور شام پڑنے کے بعد آدھی رات تک قیام کرتے۔ جب ہم پندرہ راتیں سفر کر چکے تو ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچے جہاں بڑی بڑی چٹانیں تھیں۔ ان چٹانوں میں سے چشمے پھوٹ رہے تھے اور چشموں کا پانی قریب کے نشیبی علاقوں میں چھوٹی چھوٹی جھیلوں کی شکل میں جمع ہو رہا تھا۔ اس مقام کو عبور کرتے ہی ہم ترک علاقے میں داخل ہو گئے۔

---

1 زمجان ایک قلعہ جو اُست یُورت کی ڈھلان پر واقع بہت سے قلعوں میں سے ایک قلعہ۔ اس کے بارے میں معلومات موجود نہیں۔

2 جیت یہ بستی دریائے جیحون کے بائیں کنارے جرجانیہ کے شمال میں پہاڑ کے قریب واقع تھی۔ اس بستی کے بعد وہ میدانی علاقہ شروع ہوتا ہے جو غزّیا اوغوز ترک قبیلہ کا مسکن تھا۔ اس زمانے میں یہاں بھی ایک قلعہ تھا۔ جرجانیہ سے اس کا فاصلہ 12 فرسخ (72 کلومیٹر) تھا۔

ترک قبیلہ غزّ

یہ غزّ[1] نامی ترک قبیلہ کا مسکن تھا۔ یہ لوگ خانہ بدوش ہیں اور نمدے کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے ہیں۔ وہ کسی ایک جگہ پر ٹک کر نہیں رہتے، ایک مقام پر کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد کسی اور مقام پر منتقل ہو جاتے ہیں۔ خانہ بدوشوں کی روایت کے مطابق

---

1 غزّ۔ ترکوں کا ایک بڑا قبیلہ جس کو تغز اور اوغوز بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں 25 ذیلی قبائل شامل تھے۔ یہ قبائل خوارزم کی سرحد سے والگا کے علاقے تک پھیلے ہوئے تھے "حدود العالم" کے مطابق غزّ لوگ مغرور، جھگڑالو، حاسد اور بدذات (شوخ رو، ستیزہ کار، حاسد، بدرگ) ہوتے ہیں۔ سردی اور گرمی دونوں موسموں میں چراگاہوں اور سرسبز میدانوں (چراگاہ و گیاخوار) میں جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے۔ گھوڑے، گائے، بھیڑیں، اسلحہ اور شکار ان کی دولت ہے۔ ان میں بے شمار تاجر ہیں۔ غزّ لوگ حکیموں کی بے حد عزت کرتے ہیں۔ ان کے یہاں کوئی شہر نہیں ہے بلکہ یہ نمدے سے بنے ہوئے خیموں میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے جرأت مند اور جی دار ہیں۔ ان کا

ان کی رہائشیں بدلتی رہتی ہیں۔آج یہاں تو کل وہاں' وہ آوارہ گدھوں کی طرح ہیں۔ یہ لوگ نہ اللہ کو مانتے ہیں' نہ مذہب کو جانتے ہیں اور نہ عقل وشعور سے ان کو کوئی سروکار ہے۔ یہ لوگ کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ وہ اپنے سردار کو خداوند یا مولا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ جب کسی ترک کو اپنے سردار سے کسی مسئلے پر مشورہ کرنا ہوتا ہے تو وہ اس سے یوں کہتا ہے ''اے میرے خداوند یا اے میرے مولا بتا میں اس معاملے میں کیا کروں''۔

ان کے معاملات باہمی صلاح مشورے سے طے پاتے ہیں۔ جب کوئی بات طے پا جاتی تو پھر سب اس پر عمل کرتے ہیں۔ جو آدمی متفقہ فیصلے سے روگردانی کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا یا اس کے خلاف عمل کرتا ہے تو اس کو کمینہ اور قابل نفریں سمجھا جاتا ہے۔

میں نے انہیں لاالٰہ الااللہ محمد الرسول اللہ کہتے سنا مگر وہ ایسا صرف مسلمانوں کے قریب آنے اور مسلمانوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے کرتے ہیں۔ وہ اس کلمے پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کا کوئی شخص اگر بُرا کام کرتا ہے یا کوئی ایسی بات ہوتی ہے جس سے وہ کراہت محسوس کرتا ہے تو وہ آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر کہتا ہے ''بیر تنگری'' جس کا ترکی زبان میں مطلب ہے ''خدائے واحد'' یعنی بیر=ایک اور تنگری=خدا[1]۔

غزّ لوگ پیشاب یا پاخانہ کر کے طہارت نہیں کرتے اور نہ مباشرت کے بعد غسلِ جنابت کرتے ہیں اور نہ کسی اور وجہ سے نہاتے ہیں۔ پانی سے انہیں کوئی خاص سروکار نہیں ہے۔ وہ پانی استعمال نہیں کرتے' خاص کر زمستان میں۔

ان کی عورتیں نہ اپنوں سے پردہ کرتی ہیں اور نہ غیر وسے۔ اسی طرح وہ اپنے جسم کے کسی حصے کو کسی آدمی سے خواہ وہ اس کا اپنا ہو یا پرایا چھپا کر نہیں رکھتیں۔

ایک دن ہم ایک ترک کے گھر میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ اس کی بیوی بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ باتیں کرتے کرتے ہم نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنی شرم گاہ کھولی اور بے تکلفی سے کھجانے لگی۔ میں نے اس حالت میں دیکھا تو مارے شرم کے اپنے دونوں ہاتھوں سے منھ چھپا لیا اور ''استغفر اللہ'' کہا۔

ہر قبیلہ کا سردار الگ ہوتا تھا جس کو بعنو کہتے تھے۔ ابتدا میں غزّ یا اوغوز اسلام اور مسلمانوں کے بے حد مخالف تھے۔ مگر تجارتی روابط بڑھنے کے باعث وہ مسلمانوں کے زیرِ اثر آنے لگے۔ ان میں جو مسلمان ہو جاتا غزّ اس کا ترکمان کہتے تھے۔ رفتہ رفتہ غزّوں میں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی اور مسلمان اور غیر مسلمان غزوں کے درمیان جنگیں ہونے لگیں یہاں تک کہ مسلمان ترکمانوں نے غیر مسلم غزوں کو اس علاقے سے نکال کر بحیرہ اسود کے کنارے دھکیل دیا۔ انہیں ترکمانوں میں سے محمود غزنوی جیسے لوگ پیدا ہوئے۔

[1] ابنِ فضلان کے اس بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ غزّ لوگ خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے۔

اس پر اس کا شوہر ہنسا اور ہنس کر ترجمان سے کہا ''اس سے کہو کہ اس نے تمہاری موجودگی میں اپنی شرم گاہ کو اس لئے ننگا کیا تاکہ تم اس کو دیکھ لو۔ مگر وہ اپنی شرم گاہ کی خوب حفاظت کرتی ہے۔ اور کسی کے ہاتھ کو اس تک پہنچنے نہیں دیتی۔ یہ بات اس سے بہتر ہے کہ شرم گاہ چھپی تو رہے مگر ہر ایک کا ہاتھ اس تک پہنچ جائے''۔

غزّلو گوں میں زناکاری مفقود ہے اگر کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ زنا کا مرتکب ہوا ہے تو وہ چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دیتے ہیں اور وہ اس طرح سے کرتے ہیں کہ وہ دو درختوں کی سبز مضبوط شاخوں کو کھینچ کر ایک دوسرے کے قریب لاتے ہیں۔ پھر زانی کی ایک ٹانگ کو ایک شاخ کے ساتھ اور دوسری ٹانگ کو دوسری شاخ کے ساتھ باندھ دیتے ہیں اور پھر دونوں شاخوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح شاخوں میں بندھا ہوا آدمی دو حصوں میں بٹ کر رہ جاتا ہے۔

ایک ترک نے مجھے قرآن پاک کی تلاوت کرتے سنا تو اس کو قرأت بہت پسند آئی۔ اس نے ترجمان سے کہا ''اس عرب سے ہو چھو کہ کیا تمہارے خدائے عزوجل کی بیوی ہے؟'' میں یہ سن کر چکرا گیا۔ میں نے ''سبحان اللہ'' اور ''استغفر اللہ'' کہا۔ تو اس پر اس ترک نے بھی توبہ واستغفار کیا۔ ترکوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کسی مسلمان کو استغفر اللہ اور سبحان اللہ کہتے سنتے ہیں تو خود بھی یہی کہنا شروع کر دیتے ہیں۔

ترکوں کے رسم ورواج

ان کے شادی بیاہ کے رسم ورواج کچھ اس طرح ہیں:

شادی کا خواہش مند کسی شخص سے اس کی کسی زیر کفالت لڑکی خواہ اس کی بیٹی ہو یا بہن یا کوئی اور، چند خوارزمی ملبوسات (ثوب) کے عوض رشتہ طلب کرتا ہے۔ اگر کفیل کو اس کی پیشکش منظور ہو تو پھر رشتے کا طلب گار یہ ملبوسات براہ راست لڑکی کو پیش کرتا ہے۔ کبھی بھی دلہن کی قیمت اُونٹوں یا سواری کے لائق کسی اور جانور مثلاً گھوڑے، خچر، یا گدھوں کی شکل میں بھی ادا کی جاتی ہے۔ کبھی کبھی کسی اور جنس میں بھی قیمت ادا کی جاتی ہے۔ جب تک لڑکی کے سرپرست یا کفیل کے ساتھ طے کردہ شرائط پوری نہیں ہو جاتیں اور مطلوبہ رقم ادا نہیں کر دی جاتی تب تک طلب گار مرد کو لڑکی کے قریب جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ جب وہ لڑکی کے سرپرست کو مطلوبہ رقم ادا کر دیتا تو پھر وہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ لڑکی کے گھر میں داخل ہو کر مکان کے اس حصے میں چلا جاتا جہاں لڑکی موجود ہو اور پھر وہ لڑکی کو اس کے ماں باپ اور بھائیوں کی موجودگی میں اُٹھا کر لے جاتا ہے اور وہ لوگ اسے ایسا کرنے سے نہیں روکتے۔

جب کوئی ایسا ترک مر جاتا ہے جس کے بیوی بچے ہوں تو اس کا سب سے بڑا بیٹا مرنے والے کی بیوی سے شادی کر لیتا ہے بشرطیکہ وہ اس کی سگی ماں نہ ہو[1]۔

کوئی سوداگر یا کوئی اور شخص کسی ترک کی موجودگی میں وضو نہیں کر سکتا، نہ غسل جنابت کر سکتا ہے۔ ایسا وہ صرف رات کی تاریکی میں وہ بھی ترکوں کی نظروں سے اوجھل رہ کر کر سکتا ہے۔ اگر وہ کسی کو پانی استعمال کرتا دیکھ لیں تو غصہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آدمی ہم پر جادو کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ پانی کی طرف دیکھ رہا ہے''۔ چنانچہ وہ پانی استعمال کرنے والے پر ایک خاص رقم کا جرمانہ کر دیتے ہیں۔

کوئی مسلمان کسی ترک کو دوست بنائے بغیر ترک علاقے میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی مسلمان دوست بن کر ان کے علاقے میں جائے تو پھر اسے اسی شخص کے ہاں قیام کرنا پڑتا ہے جس کی دعوت پر وہ وہاں جاتا ہے۔ ایسے مسلمان اپنے ترک دوست کے لئے ایک عدد فرغل، دوست کی بیوی کے لئے حجاب[2] تھوڑی سی کالی مرچیں، تھوڑا سا اناج، تھوڑی کشمش اور کچھ خشک میوہ جات لے کر جاتے ہیں۔ جب کوئی مسلمان اپنے ترک دوست کے گھر پہنچتا ہے تو ترک میزبان اس کے لئے الگ سے ایک خیمہ نصب کرتا ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق چند بھیڑیں اس کی خدمت میں پیش کرتا ہے تاکہ مسلمان مہمان اپنے طریقے کے مطابق ذبح کر کے کھا سکے کیونکہ ترک جانور کو ذبح کر کے نہیں کھاتے بلکہ وہ جانور کو مار مار کر ہلاک کرتے ہیں اور پھر اس کا گوشت کھاتے ہیں۔

اگر کوئی مسلمان مہمان اپنے ترک دوست سے رُخصت ہونا چاہے اور اس کے کچھ اُونٹ اڑ جائیں اور چلنے سے انکاری ہو جائیں یا اگر اسے پیسے کی ضرورت ہو تو وہ اپنے اُونٹ اپنے ترک میزبان کے ہاں چھوڑ جاتا ہے اور اپنے میزبان سے اپنے اُونٹ یا اُونٹوں کی قیمت لے جاتا ہے یا سواری کے لئے کوئی جانور لے کر رُخصت ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ اپنی منزل سے واپس آتا ہے تو اپنے ترک دوست سے لئے ہوئے پیسے یا سواری کا جانور واپس کر دیتا ہے[3]۔

اگر کوئی اجنبی کسی ترک کے پاس آجائے اور کہے کہ ''میں تمہارا مہمان ہوں۔ مجھے تمہارے کچھ اونٹ چاہئیں یا سواری کے لئے کوئی جانور چاہئے یا کچھ رقم چاہئے'' تو ترک بالعموم اس کی ضرورت پوری کر دیتا ہے۔ اگر یہ اجنبی کوئی سوداگر ہو اور دوران سفر مر جائے تو جب کاروان واپس آتا ہے تو یہ ترک کارواں والوں سے کہتا ہے کہ ''میرا مہمان کہاں ہے؟'' اگر اسے بتایا جائے کہ وہ تو مر گیا تو ترک اُونٹوں پر لدا ہوا مال اتروا لیتا ہے، پھر وہ کاروان کے کسی معتبر اور محترم دکھائی دینے والے سوداگر کے پاس جاتا ہے اس

---

1 اسلام سے پہلے عرب میں بھی یہی دستور تھا۔ دنیا کے بہت سے قبائل میں ایسا ہوتا تھا۔

2 حجاب اس طرح کا نہیں جس طرح کا مسلمان عورتیں پہنتی ہیں بلکہ سردی سے بچنے کے لئے سر کو ڈھانپنے کے لئے۔

3 مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی تاجر جو قافلے کے ساتھ اس علاقے میں آتا اور کسی وجہ سے اسے پیسے کی ضرورت پڑ جاتی تو ترک میزبان اس کو قرض دے دیتا تھا اور تاجر واپسی پر اس کا قرض اُتار دیتا تھا۔

کے سامنے سامان کھولتا ہے۔اور اس میں سے اتنی رقم کا مال نکال کر لے لیتا ہے جتنی رقم اس نے مرنے والے اجنبی کو دی تھی۔وہ اپنی دی ہوئی رقم سے ایک پیسہ زیادہ نہیں لیتا۔اسی طرح وہ ان کے (قافلے والوں کے) سواری کے جانوروں اور گھوڑوں سے چند نگ یہ کہہ کر رکھ لیتا ہے کہ مرنے والا تمہارا (قافلے والوں کا) عم زاد تھا اور اس کا قرض اتارنا تم سب کی ذمہ داری ہے''[1]۔

اگر کوئی سوداگر کسی ترک کی رقم لے کر بھاگ جاتا ہے تو بھی وہ یہی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ''تمہاری طرح وہ بھی مسلمان ہے۔جو کچھ تم مجھے دے رہے ہو وہی کچھ تم اس سے وصول کر لینا''۔اگر اس سے رقم لے کر بھاگ جانے والا مسلمان مہمان ہاتھ نہیں آتا تو وہ اس کے بارے میں ہر طرح کی معلومات جمع کرتا ہے۔وہ کھوج لگاتا ہے کہ اس کا وطن کہاں ہے اور اس کا ٹھکانہ کہاں ہے۔اگر اس کے ٹھکانے کا پتہ چل جائے تو وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے اور کئی کئی دن اس کو ڈھونڈتا پھرتا ہے اور تلاش اس وقت تک جاری رکھتا ہے جب تک کہ وہ اس جگہ نہیں پہنچ جاتا جہاں یہ مقروض مسلمان مقیم ہوتا۔تب یہ مسلمان وہ سب کچھ ترک کے حوالے کر دیتا جو اس نے ترک سے قرض لیا ہوتا ہے۔اسی کے ساتھ ترک وہ تمام تحائف بھی مسلمانوں کو واپس کر دیتا ہے جو مسلمان نے اس کو دیئے ہوں یعنی دوستی ختم!

اسی طرح جب کوئی ترک اپنے علاقے سے نکل کر جرجانیہ جاتا ہے تو وہ بھی اپنے مسلمان دوست کے پاس جا کر قیام کرتا ہے۔اگر مسلمان دوست کے گھر میں قیام کے دوران کسی ترک کا انتقال ہو جائے تو اگر ترکوں کے علاقے میں سفر کرنے والے کسی قافلے میں اس مسلمان کے موجود ہونے کا علم ترکوں کو ہو جائے تو وہ اس مسلمان کو قتل کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''تم نے اس کو اپنے گھر میں قید کر کے مار ڈالا تھا۔اگر تم اسے قید نہ رکھتے تو وہ نہیں مرتا''اس طرح اگر کوئی مسلمان کسی ترک کو نبیذ پلا دے اور نشہ کی وجہ سے ترک کسی کنویں میں گر کر مر جائے تو وہ انتقام کے طور پر مسلمان کو قتل کر دیتے ہیں۔اگر اس طرح سے مرنے والے ترک کا مسلمان دوست کارواں کے اندر نہ ملے تو وہ کارواں میں شامل کسی بزرگ سوداگر کو قتل کر کے انتقام لیتے ہیں۔

ترک اغلام[2] کو ایک بہت بڑی برائی سمجھتے ہیں۔ایک دفعہ خوارزم کا ایک سوداگر بھیڑیں خریدنے کے لئے ایک ''کوذرکین'' کے علاقے میں آیا اور ایک ترک میزبان کے گھر میں ٹھہرا۔اس ترک کا بیٹا تھا جس کے چہرے پر ابھی سبزہ نہیں آیا تھا۔سوداگر نے اس نوخیز لڑکے کو رام کرنے کی کوشش کی اور بالآخر اس کو اپنی راہ پر لانے میں کامیاب ہو گیا۔کرنا ایسا ہوا کہ عین وقت پر لڑکے کا باپ خیمے کے اندر آ گیا اور سوداگر کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ترک نے کوذرکین سے شکایت کی اور تمام لوگوں کو جمع کر لیا۔جب سب لوگ جمع ہو گئے تو کوذرکین نے ترک سے کہا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں انصاف کے مطابق فیصلہ کروں یا چاہتے ہو کہ میں غلط فیصلہ

---

1 ترک اپنے قرضہ کی رقم سے زیادہ رقم نہیں لیتا مگر کاروان میں شامل دوسرے تاجروں سے کچھ نہ کچھ لے لیتا تھا۔

2 ترکوں میں لواطت کو بہت بُرا سمجھا جاتا تھا۔اس کی سزا موت تھی۔منگول بھی لوطی کو موت کی سزا دیتے تھے۔

دوں''ترک نے جواب دیا کہ ''حق کے مطابق فیصلہ دیں''کوذر کین نے کہاتم اپنے بیٹے کو حاضر کرو۔ ترک نے بیٹے کو پیش کر دیا ۔ کوذر کین نے فیصلہ سنایا''لڑکے اور سوداگر دونوں کو قتل کر دیا جائے''یہ فیصلہ سن کر ترک جھنجھلا گیا۔اور بولا''میں اپنے بیٹے کو نہیں چھوڑ سکتا۔ کوذر کین نے کہا پھر سوداگر تاوان ادا کر کے اپنی گلو خاصی کرا سکتا ہے''چنانچہ سوداگر نے اپنے میزبان کے بیٹے کے ساتھ زیادتی کرنے کی پاداش میں چار سو بھیڑیں بطور تاوان کوذر کین کو ادا کر دیں اور پھر بعجلت تمام ترک علاقے سے نکل گیا۔

ترکوں کے بادشاہوں اور رؤسا میں سے ہم جس سے سب سے پہلے ملے وہ''ینال خورد''[1] تھا جو اپنے علاقے میں ترک بادشاہ خاقان کا نمائندہ تھا۔ وہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا مگر جب اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اگر تم مسلمان ہو گئے ہو تو ہم تم کو اپنا سردار نہیں مانیں گے تو وہ اسلام سے پھر گیا اور پھر سے اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ گیا۔ جب ہم اس جگہ پہنچے جہاں وہ مقیم تھا اور ہماری اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا''میں تم لوگوں کو اپنے علاقے سے گزرنے نہیں دوں گا۔ یہ ایسی بات ہے جو میں نے نہ کبھی دیکھی نہ سنی اور میں سمجھتا ہوں کہ کبھی ایسا نہیں ہو گا کہ تم لوگ میرے علاقے سے گزر کر آگے جاؤ''[2]۔

ہم نے اس کی خاطر مدارات کی۔ اس کی خدمت میں دس درہم مالیت کا ایک عدد جرجانی خفتان 'ایک عدد زنانہ لباس جس کو''بائی باف''[3] کہتے ہیں 'کچھ روٹیاں مٹھی بھر کشمش اور ایک سوا خروٹ پیش کئے۔ یہ تحائف پا کر وہ ہمارے سامنے سجدہ ریز ہو گیا[4]۔ یہ ان لوگوں کا دستور ہے کہ جب کوئی کسی کو کسی قسم کا اعزاز بخشتا ہے تو اعزاز پانے والا اعزاز دینے والے کو سجدہ کرتا اور کہتا ہے کہ ''اگر میرا خیمہ راستے سے بہت دور نہ ہوتا تو میں آپ کی خدمت میں ایک بھیڑ اور گندم کا نذرانہ پیش کرتا''۔

ینال خورد سے رخصت ہو کر ہم اگلی منزل کے لئے روانہ ہوئے۔ دوسرے دن ہمیں ایک انتہائی بد شکل اور بد ہیئت ترک ملا جو دیکھنے میں گندہ اور غلیظ 'اطوار میں سفلہ اور فطرت کا کمینہ تھا۔ وہ ہم سے مخاطب ہو کر بولا''رک جاؤ کوئی حرکت نہ کرنا''۔ اس

---

1 ینال خورد۔ ترکوں کا ایک عہدہ۔ اسے خاقان بہ یا خاقان کا نائب یا خاقان کا نمائندہ بھی کہا جاتا تھا۔

2 ابنِ فضلان سے پہلے جو لوگ اس علاقے سے گزرتے رہے تھے وہ تاجر تھے۔ سفارتی نمائندے نہیں تھے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ دربارِ خلافت کا سفیر اس علاقے سے گزرنا چاہتا تھا۔ چونکہ مسلمانوں اور ترکوں کے تعلقات ٹھیک نہیں تھے۔ ترک قبائل مسلمان علاقوں میں آکر لوٹ مار کر کے چلے جاتے تھے۔ صرف تجارتی قافلوں کو امن کے ساتھ گزرنے دیتے تھے بلکہ ان کی حفاظت کرتے تھے اور اس کے عوض انہیں معاوضہ ملتا تھا۔ سرکاری نمائندے کا گزر کر ان لوگوں کے پاس جانا جن سے ترکوں کی لڑائی ہوتی رہتی تھی شکوک و شبہات پیدا کرنے والی بات تھی۔

3 بائی باف بی باف یا بی تاف یا بائی تاف یائے باف بنا ہوا کپڑا عورتوں کا مخصوص لباس جو پاؤں میں پہنا جاتا تھا۔ غالباً موزہ۔

4 ترکوں میں یہ رواج عام تھا کہ اظہار ممونیت کے لئے وہ احسان کرنے والے کو سجدہ کرتے تھے۔

حکم پر سارا کارواں رک گیا جس میں تین ہزار چوپائے اور پانچ ہزار مرد شامل تھے [1]۔ پھر اس نے کہا ''یہاں سے کوئی آگے نہیں جائے گا''ہم نے اس کو بتایا کہ ہم کوذر کین کے دوست ہیں''۔

یہ سن کر وہ خوب ہنسا اور بولا ''کون کوذر کین؟ میں اس کی داڑھی پر پیشاب کرتا ہوں''۔ پھر اس نے کہا'' پکند!''خوارزمی زبان میں جس کا مطلب ہے ''روٹی''۔ چنانچہ میں نے اس کو چند روٹیاں دیدیں۔ روٹیاں لینے کے بعد اس نے کہا'' گزر جاؤ۔ میں نے تم پر رحم کیا''

ابنِ فضلان نے کہا کہ!

اگر کوئی ترک بیمار ہو جائے اور اس کے پاس غلام اور کنیزیں ہوں تو صرف یہی غلام اور کنیزیں اس کی تیمارداری کرتے ہیں۔ خاندان کا کوئی اور فرد اس قریب نہیں جاتا۔ مریض کے لئے بستی سے باہر ایک خیمہ نصب کر دیا جاتا جہاں سے مریض شفایاب ہو کر یا پھر مر کر ہی باہر آتا ہے۔ مریض اگر غریب ہے یا غلام ہے تو لوگ اس کو بیابان میں پھینک آتے ہیں اور پھر کوئی اس کے پاس نہیں جاتا۔(اس کی خبر نہیں لیتا)

جب کوئی ترک مر جاتا ہے تو لوگ اس کے لئے ایک بڑا سا گڑھا کھودتے ہیں اور اس کے اوپر تنبوتان دیتے ہیں' مردے کو کرتا (قرطاق) پہناتے ہیں' کمر بند کستے ہیں' اس کے کندھے پر کمان لٹکاتے ہیں' پھر شراب سے بھرا ہوا پیالہ اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہیں اور شراب سے بھرا ہوا ایک ظرف چوبی اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ پھر وہ سارا ساز و سامان جو اس کی ملکیت سے ہوتا ہے لا کر گڑھے میں اس کے پاس رکھ دیتے ہیں۔ گڑھے کے اندر مردے کو لٹانے کی بجائے بٹھا دیتے ہیں۔ پھر ایک گنبد نما مکان بنا کر میت کو اس کے اندر رکھ کر بند کر دیتے ہیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر لوگ مرنے والے سواری کے جانوروں اور مال مویشی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان کی تعداد کے لحاظ سے ایک سو یا دو سو تک جانور ہلاک کرتے ہیں۔ کبھی کبھی صرف ایک ہی جانور ہلاک کرتے ہیں۔ سر' پاؤں' کھال اور دم کے سوا سارا گوشت کھا جاتے ہیں۔ ان چیزوں یعنی سر' پاؤں' کھال اور دم کو لکڑی کے کھمبوں پر لٹکا کر ان کھمبوں کو اس کی قبر کے پاس گاڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''یہ اس کی سواریاں ہیں جن پر سوار ہو کر وہ جنت میں جائے گا''۔

---

[1] ابنِ فضلان کا بیان دل کو نہیں لگتا۔ ایک انجان شخص جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کون ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے رُکنے کا حکم دیتا ہے اور تین چار ہزار پر مشتمل کاروان رک جاتا ہے اور وہ صرف روٹی لے کر جانے کی اجازت دے دیتا ہے۔ مسخرہ پن لگتا ہے۔ پھر اس کا یہ بیان بھی دل کو نہیں لگتا کہ قافلے میں تین ہزار چوپائے اور پانچ ہزار مرد شامل ہیں جبکہ معاملہ الٹ ہونا چاہئے۔ کاروان میں مردوں کی تعداد کم اور جانوروں کی تعداد زیادہ ہونی چاہئے کیونکہ چوپائے (اونٹ اور گھوڑے) سواری کے مال تجارت اُٹھانے کے لئے بھی درکار ہوتے ہیں۔ لہٰذا سمجھنا یہ چاہئے کہ کاروان میں تین ہزار افراد اور پانچ ہزار جانور ہوں گے۔

اگر مرنے والے نے اپنی زندگی میں کسی شخص کو قتل کیا ہو اور وہ بہادری اور شجاعت کے لئے مشہور ہو تو اس کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کے چوبی مجسمے تراش کر اس کی قبر پر گاڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''یہ وہ غلام ہیں جو جنت میں اس کی خدمت کریں گے۔''

اگر جانور ہلاک کرنے میں ایک دو دن کی تاخیر ہو جائے تو ان کے بزرگوں میں سے کوئی شخص یہ کہہ کر لوگوں میں جوش پیدا کرتا ہے کہ میں نے مرنے والے کو کل رات خواب میں دیکھا۔اس نے مجھ سے کہا''تم دیکھ رہے ہو کہ میرے دوست مجھ سے آگے نکل گئے ہیں۔ان کے ساتھ پیدل چلتے چلتے میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔وہ آگے نکل گئے ہیں'میں پیچھے رہ گیا ہوں۔میں ان کو نہیں پکڑ سکتا''۔یہ باتیں سن کر لوگ اس کے گھوڑوں کے پاس جاتے ہیں اور گھوڑوں کو ہلاک کرتے ہیں۔اس کے بعد وہی بزرگ چند روز کے بعد لوگوں کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ ''میں مرنے والے کو گزشتہ رات پھر خواب میں دیکھا۔اس نے مجھ سے کہا کہ میرے اہل خانہ اور دوستوں کو خبر کر دو کہ جو دوست مجھ سے آگے نکل گئے تھے اب میں ان کے ساتھ جا ملا ہوں اور تمام آلام سے نجات پا گیا ہوں۔اب مجھے کوئی غم نہیں ہے''۔

ابنِ فضلان نے کہا:

تمام ترک مرد مونچھوں کے سوا داڑھی کے تمام بال نوچ ڈالتے ہیں[1]۔ کبھی کبھی کوئی ایسا بوڑھا ترک نظر آجاتا ہے جس نے داڑھی کے سارے بال نوچ ڈالے ہیں اور صرف تھوڑی کے نیچے کچھ بال چھوڑ رکھے ہیں اور سر پر بھیڑ کی پوستین پہن رکھی ہے۔ایسے شخص کو اگر دور سے دیکھا جائے تو وہ بالکل بکرا دکھائی دیتا ہے۔

غزّ ترکوں کا بادشاہ ''یبغو''[2] کہلاتا ہے۔جو بھی حکومت کرتا ہے وہی یبغو ہوتا ہے۔اس کے نائب کو کوذر کہتے ہیں'اور جو بھی بادشاہ یا اپنے سردار کی نیابت کرتا ہے وہی کوذر کین ہوتا ہے۔

ترک علاقے میں سفر کرتے کرتے ہم ترک فوج کے کماندار (صاحب جشیھم) سے ملے۔جن کا نام ''اترک بن قطغان''[3] تھا۔اس نے ہمارے لئے ترکی طرز کے نمدے سے بنے ہوئے خیمے نصب کرائے اور ہم نے ان خیموں میں قیام کیا۔معلوم ہوا کہ اس کا خاندان کافی بڑا ہے'خدام بھی بہت ہیں اور اس کے خیموں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔وہ کچھ بھیڑیں اور کچھ گھوڑے لے کر

---

1 ترکوں میں رواج تھا کہ وہ اپنی داڑھی کے بال استرے سے صاف کرنے کی بجائے نوچ نوچ کر صاف کیا کرتے تھے۔اس کام کے لئے ہر مرد کے پاس ایک موچنا اور ایک آئینہ ہوتا تھا جس کی مدد سے وہ اپنے بال نوچا کرتے تھے۔

2 **یبغو** ایک قبیلہ کا نام بھی تھا مگر بالعموم قبیلہ کے سردار کو یبغو کہا جاتا تھا۔اتحاد میں شامل قبائل کے بادشاہ کو خاقان کہا جاتا تھا جبکہ یبغو اپنے قبیلہ میں خاقان کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔

3 **اترك بن القطغان** ۔ترکی نام کتگان کا معرب۔اس علاقے میں ترک فوج کا سپہ سالار تھا۔یہ فوج باقاعدہ فوج نہیں تھی بلکہ وقتِ ضرورت لوگ رضاکارانہ طور پر شریک ہو جاتے تھے۔فتح کی صورت میں لوٹ مار کرتے اور جو کچھ ہاتھ لگتا وہی ان کا معاوضہ ہوتا تھا۔

ہمارے پاس آیا تاکہ ہم بھیڑوں کو اسلامی طریقہ سے ذبح کر کے ان کا گوشت کھائیں اور گھوڑوں کو سواری کے لئے استعمال کریں۔اس نے اپنے خاندان کے بہت سے لوگوں کو جن میں اس کے چچازاد بھائی بھی شامل تھے ایک دعوت میں مدعو کیا۔اور اس دعوت کے لئے بہت سی بھیڑیں ہلاک کیں۔

ہم اس کی خدمت میں پہلے ہی تحائف پیش کر چکے تھے جن میں کچھ ملبوسات تھے، تھوڑی کشمش، کچھ اخروٹ اور کچھ اناج شامل تھے۔اس دعوت میں، میں نے اس کی بیوی کو دیکھا جو پہلے اس کے باپ کی بیوی تھی اس نے گوشت کے چند پارچے اٹھائے اور کچھ دودھ لیا اور خیمے سے باہر نکل کر بیابان کی سمت چلی گئی۔وہاں پر اس نے ایک گڑھا کھودا اور گوشت اور دودھ کو اس میں دبا دیا۔ ایسا کرتے ہوئے وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔میں نے ترجمان سے پوچھا "یہ عورت کیا کہہ رہی ہے؟" ترجمان نے بتایا کہ وہ کہہ رہی ہے کہ "عربوں نے جو تحائف دیئے ہیں ان میں سے یہ اترک کے باپ القطغان کا حصہ ہے"۔

رات ہوئی تو میں اور میرا ترجمان اترک کے خیمے میں گئے۔ہمارے پاس نذیر الحرمی کا ایک خط تھا جو اس نے اترک بن القطغان کے نام ہمیں دیا تھا۔اس خط میں نذیر الحرمی نے اترک کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور اصرار کے ساتھ کہا تھا کہ وہ ضرور مسلمان ہو جائے۔نذیر الحرمی نے پچاس دینار بھی اس کے لئے بھیجے تھے۔جن میں چند مسیمی دینار تھے۔اس کے علاوہ تین مِثقال مشک، کمائے ہوئے چمڑے کے چند ٹکڑے، مرو کا بنا ہوا کپڑا جس میں سے اس کے لئے دو عدد قرطق (کرتے) بنائے گئے، ایک جوڑا چرمی جوتے، دیبا کا بنایا ہوا ایک لباس اور ریشم سے بنے ہوئے پانچ عدد ملبوسات بھی تحائف میں شامل تھے۔ہم نے یہ تمام تحائف اس کے حوالے کئے۔نیز اس کی بیوی کی خدمت میں ایک عدد روسری (مقنعہ)[1] (سر کو ڈھانپنے والا رومال یا حجاب) اور ایک عدد انگوٹھی پیش کی۔

میں نے اس کو نذیر الحرمی کا خط پڑھ کر سنایا۔خط سن کر اس نے ترجمان کے ذریعہ مجھ سے کہا کہ "تمہاری واپسی تک میں اس معاملے میں کچھ نہیں کہوں گا۔اس کے بعد میں خلیفۃ المسلمین کو خط لکھ کر اپنے فیصلے سے آگاہ کروں گا"

پھر اس نے اپنا پرانا لباس اتار پھینکا اور ہماری طرف سے تحفے میں دی گئی خلعت زیب تن کی۔میں نے دیکھا کہ وہ اپنے پرانے ریشمی لباس کے نیچے جو قرطق (کرتا) پہنے ہوئے تھا وہ میلا چیکٹ ہونے کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔اصل میں ان کے رواج کے مطابق یہ لوگ اپنے جسم سے لگنے والے کپڑے کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتے جب تک کہ وہ گل کر پارہ پارہ نہ ہو جائے۔

---

1 سر پر اوڑھنے والی چادر۔ترکوں اور تاتاریوں میں رواج تھا کہ ان کی عورتیں سر کو ڈھانپنے کے لئے چادر اوڑھتی تھیں۔

اترک بن القطغان نے اپنی داڑھی اور مونچھ دونوں کو نوچ نوچ کر صاف کرر کھا تھااور یوں وہ شکل سے بالکل زنخا نظر آتا تھا ۔میں نے محسوس کیا کہ ترک لوگ اس کو ایک بہترین شہسوار مانتے ہیں اور واقعی ایک دن میں نے دیکھا کہ جب ہم گھوڑوں پر سوار ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو سفر کرر ہے تھے تو ایک غاز[1] اڑتا ہوا دکھائی دیا۔اترک نے اپنا گھوڑا غاز کے نیچے کیا' ترکش میں سے تیر نکالا' اسے کمان پر چڑھایا اور نشانہ باندھ کر تیر کو غاز کی طرف چھوڑ دیا۔دیکھتے ہی دیکھتے غاز زمین پر آرہا۔

ایک دن اس نے ان سرداروں کو جو منصب میں اس سے کمتر درجہ کے تھے اپنے خرگاہ میں طلب کیا۔ان سرداروں میں ''ترخان'' ''وینال''(اینال)اور اس کا بھائی فرزند ''ایلغز'' شامل تھے۔ترخان ان میں سب سے زیادہ شریف اور محترم تھا۔وہ لنگڑا تھا 'نابینا اور لولا بھی تھا۔اترک بن قطغان نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا''یہ عربوں کے بادشاہ کے قاصد ہیں جو میرے داماد المش ابن یلطوار کے نام اپنے بادشاہ کا پیغام لے کر جارہے ہیں۔میرے لئے مناسب نہیں ہے کہ میں تم سے مشورہ کئے بغیر ان لوگوں کو اپنے علاقے سے گزر کر آگے جانے کی اجازت دوں''[2]۔

ترخان نے کہا کہ یہ ایسی بات ہے جو ہم نے اب سے پہلے نہ کبھی دیکھی اور نہ سنی۔ہمارے زمانے میں 'نہ ہمارے باپ دادا کے زمانے میں خلیفہ کا کوئی ایلچی ہمارے علاقے سے نہیں گزرا۔میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سلطان ہم سے کوئی چال چل رہا ہے ۔وہ ہمارے خلاف خزروں[3] کی فوج بنانا چاہتا ہے اور اسی مقصد کے لئے وہ ان لوگوں کو وہاں بھیج رہا ہے۔بہتر تو یہی ہے کہ ہم ان لوگوں کا یہیں قلع قمع کر دیں اور ان کا مال واسباب ضبط کر لیں''۔

ایک دوسرا بولا: ''نہیں' بلکہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ ہمیں ان سے چھین لینا چاہئے اور جہاں سے یہ لوگ آئے ہیں ان کو وہیں واپس بھگا دینا چاہئے''۔

ایک اور بولا: ''ہمیں ان لوگوں کو گرفتار کر لینا چاہئے اور ان کے عوض اپنے ان قیدیوں کو رہا کرا لینا چاہئے جو اس وقت خزر بادشاہ کی قید میں ہیں''[4]۔

---

1 غاز۔اس کو قاز بھی کہتے ہیں لمبی ٹانگوں اور لمبی گردن والا آبی پرندہ عربی میں اس کو کرا کی کہتے ہیں۔

2 چونکہ ترک اجتماعی نوعیت کے فیصلے مشاورت کے ذریعے اتفاق رائے سے کرتے تھے اس لئے اترک نے ان لوگوں کو بلایا جو رُتبے میں اس سے کمتر مگر سردار تھے اور ان سے مشورہ کیا۔

3 خــزر۔یوریشیا کے علاقے کی ایک بڑی قوم جو کئی صدیوں بحیرہ خزر (Caspian Sea) جو اس قوم کے نام منسوب ہے اور بحیرہ اسود کے درمیانی علاقے کی بڑی طاقت تھی۔اس کا حال آگے آئے گا۔

4 غــزّ ترکوں اور خزروں کے درمیان کچھ عرصہ قبل جنگ ہوئی تھی جس میں خزروں نے بہت سے ترکوں کو قیدی بنالیا تھا۔اور ابنِ فضلان کی آمد تک یہ ترک خزروں کی قید میں تھے۔

وہ لوگ اس مسئلے پر سات دن تک بحث کرتے رہے اور ادھر ہم موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہے۔ بارے انہوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کر کے ہمیں آگے جانے کی اجازت دے دی۔ اس فیصلے پر ہم نے ترخان کو کچھ تحفے دیئے جن میں مرو کا بنا ہوا حفتان اور دو عدد ''بائے باف'' شامل تھے۔ اس کے علاوہ ترخان کے دوسرے ساتھیوں اور وینال کو بھی ایک ایک قرطق پیش کیا۔ مزید برآں، ان لوگوں کو تھوڑی سی کالی مرچ، کچھ اناج اور چند روٹیاں بھی دیں۔ پھر وہ ہم سے رخصت ہو گئے اور ہم اپنی اگلی منزل کو چل پڑے۔

یہاں سے چل کر ہم یغندی[1] نامی دریا کے کنارے پہنچے۔ یہاں پر ہم نے وہ چرمی کشتیاں نکالیں جو جرجانہ سے روانہ ہوتے وقت خریدی تھیں۔ ان کشتیوں میں ہوا بھری، ان کو پھلایا اور ترکی نسل اونٹوں پر سے سامان اتار کر ان کشتیوں میں رکھا۔ ہر کشتی میں سامان کے ساتھ چار چار، پانچ پانچ یا چھ چھ لوگ سوار ہوئے۔ ہر ایک سوار نے اپنے ہاتھ میں صنوبر کی شاخ پکڑی تاکہ اس کو چپو کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ پھر کشتیوں میں سوار لوگ اپنی اپنی کشتی کھینے لگے اور کشتیاں پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگیں۔ کبھی کوئی کشتی چکر کھاتی رہی مگر آہستہ آہستہ سب دوسرے کنارے کی طرف بڑھتی گئیں اور پتوار کی مدد سے کنارے پر جا لگیں۔ گھوڑوں اور دوسرے چوپایوں نے دریا کو تیر کر پار کیا۔

یہاں دریا عبور کرتے وقت یہ ضروری تھا کہ سامان سے پہلے کچھ مسلح جنگجو اور بادر لوگ آلات حرب کے ساتھ دریا کو پار کر کے دوسرے کنارے پر پہنچیں تاکہ وہ مال مویشی کو باشکرد[2] لوگوں کو جو دریا کے دوسرے کنارے پر آباد تھے حملے سے محفوظ رکھ سکیں۔ اور بعد میں آنے والے مال واسباب کی حفاظت کر سکیں۔ چنانچہ ہم نے دریائے یغندی کو اسی طرح سے عبور کیا۔ پہلے کچھ مسلح افراد کو دوسرے کنارے پر بھیجا اور اس کے بعد مال واسباب اور غیر مسلح لوگوں نے دریا کو عبور کیا۔

یغندی کے ہم نے ایک اور دریا کو اسی طرح پار کیا۔ اس دریا کا نام ''جام'' ہے، پھر ہم نے دریائے ''جاخش'' اور اس کے بعد دریائے ''اذل''، پھر دریائے ''اردن''، ''ارش''، ''اختی'' اور ''وتبا'' کو کشتیوں کے ذریعے پار کیا[3]، جو پچناگ نامی قبیلے کا مسکن ہے۔

---

1 یغندی یا یاغندی۔ موجودہ زمانے کا دریائے زی اندی Zayindi دریائے امبا کا معاون دریا۔

2 باشکرد۔ ترکوں کا ایک قبیلہ جو دریائے والگا کے وسطی حصے میں آباد ہے۔ ابنِ فضلان نے باشکرد ترکوں کو شریر ترین اور گندے اور انتہائی ظالم بتایا ہے۔ باشکرد ترکوں کی نیم آزاد ریاست آج روسی وفاق میں شامل ہے۔ ابنِ فضلان کے زیرِ نظر نسخہ کی دریافت کا سہرا ایک باشکرد ترک احمد ذکی ولیدی طوغان کے سر ہے۔

3 اس علاقہ میں کئی دریا ہیں ان کے پرانے اور نئے نام یہ ہیں:

پرانا نام	نیا نام
جام	امبا (Emba)
خاجش	ساژیز (Sagiz)
اُذل	یوِال (Uil)

پچناگ

پچناگ [1] قبیلہ ایک جھیل کے کنارے خیمہ زن تھا۔ پچناگ لوگ گہری بھوری رنگت کے ہوتے ہیں۔ ان کے مرد داڑھی مونڈتے ہیں۔ یہ لوگ غزّ لوگوں کے مقابلے میں مفلس دکھائی دیتے ہیں۔ غزّ قبیلے میں تو میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے جو دس دس ہزار اور ایک لاکھ ایک لاکھ بھیڑوں کے مالک ہیں جو یخ بستہ میدانوں چرتی پھرتی ہیں اور اپنے کھروں سے برف کو کرید کرید کر اس کے نیچے دبی ہوئی گھانس کھاتی ہیں۔ اگر گھاس میسر نہیں آتی تو وہ برف پر ہی گزارا کر لیتی ہیں اور جس سے وہ خوب فربہ ہو جاتی ہیں۔ پھر جب گرمی کا موسم آتا ہے اور برف پگھلنے لگتی ہے تو پھر سے گھاس چرنا شروع کر دیتی ہیں اور ان کا موٹاپا کم ہونے لگتا ہے اور وہ پھر سے دبلی ہو جاتی ہیں۔

ان لوگوں کے ساتھ ہم نے صرف ایک دن قیام کیا۔

پچناگ سے روانہ ہو کر ہم نے دریائے ''جیخ''[2] کے کنارے قیام کیا۔ ہم نے اب تک جتنے دریا دیکھے تھے یہ دریا ان میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ چوڑا ہے۔ اس میں پانی کا بہاؤ بہت تیز ہے اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہماری ایک کشتی الٹ گئی اور اس میں سوار تمام لوگ دریا میں گر گئے۔ ان میں سے کچھ بچ گئے، کچھ غرق ہو گئے اور بہت سے گھوڑے اور دیگر چوپائے بھی بہہ گئے۔ ہم نے بڑی مشکل سے اس کو پار کیا۔

اردن کچھ کے نزدیک ''زاکیسبائی'' (Zagsibay) کچھ کے نزدیک ''کالداگایتی'' (Kaldagayty)

ارش کچھ کے نزدیک ''کالداگاینی'' اور کچھ کے نزدیک ''اولینتی'' (Olenty)

وتبایاوبنا ''بلدرتی'' (Buldurty) جو دریائے یورال کی ایک شاخ ہے

1 پچناگ۔ یہ ترکوں کا ایک قبیلہ جو ابتداً غزّ علاقے میں دریائے والگا کے کنارے اور دریائے یورال کے درمیانی علاقے میں رہتا تھا مگر 893ء میں غزوں اور خزروں نے مل کر ان کو وہاں سے نکال کر والگا کے علاقے سے بے دخل کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ابن فضلان نے ان لوگوں کو غربت کی حالت میں پایا۔

2 جیخ۔ آج کل اس کو دریائے یورال کہتے ہیں۔

پھر ہم کئی روز تک سفر کرتے رہے اور ''جاخا''[1] نامی دریا کو عبور کیا۔اس کے بعد دریائے ''ارخز''[2] کو پار کیا ''ارخز'' کے بعد ''باجاغ''[3]''سمور''[4]''کنال''[5]''سوخ''[6]اور ''کنجلو''[7] کو عبور کیا۔

باشکرد

دریائے ''کنجلو'' کو پار کر کے ہم ترکوں کے ایک قبیلے میں وارد ہوئے جو ''باشکرد''[8] ان لوگوں کے بارے میں ہم بہت محتاط تھے کیونکہ ترکوں میں سب سے زیادہ شریر اور سب سے زیادہ گندے یہی لوگ ہیں۔اور آدم کشی میں بڑے بدنام ہیں۔(ان کی سفاکی کا یہ عالم ہے کہ)وہ کسی اجنبی کو دیکھتے ہی اس کا سر قلم کر دیتے ہیں'مقتول کا سر اُٹھا کر لے جاتے ہیں جبکہ دھڑ کو وہیں چھوڑ جاتے ہیں۔یہ لوگ اپنی داڑھی کو مونڈتے ہیں ۔اور جوئیں کھاتے ہیں'اپنی قرطق کے بخیہ میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر جوئیں نکالتے ہیں اور انہیں دانتوں سے چباڈالتے ہیں۔

ایک باشکرد جو مسلمان ہو گیا تھا ہمارے ہمراہ تھا اور ہمارا خدمت گزار تھا۔میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے قرطق میں سے ایک جوں پکڑی اور اس کو اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کے درمیان رکھ کر کچلا اور پھر اس کو کھا گیا۔جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو مسکرا کر بولا ''مزیدار ہے''۔

---

1 جاخایا گاخا۔دریائے یورال کا معاون دریا جو دائیں جانب سے آکر ملتا ہے جس کو آج کل ''گاگان'' کہا جاتا ہے۔

2 ارخز۔شاید دریائے ''تالفوکا'' تھا جو یورال اور والگا کے درمیان بہتا تھا۔

3 باجاغ۔دریائے والگا کی ایک شاخ ہے'دریائے سمور کا موجودہ نام سمار ہے۔

4 سمور۔دریائے سمار جو موجودہ تاتارستان میں واقع ہے۔

5 دریائے کنال۔کواب کینل کہتے ہیں۔

6 سوخ۔کواب بھی سوخ کہا جاتا ہے جو بائیں جانب سے دریائے والگا میں آکر گرتا ہے۔

7 کنجلو۔آج کا دریا کندور شا جو دریائے سوخ کا ایک معاون دریا ہے۔

8 باشکرد باشغرد یا باشگرد۔ترکوں کی ایک شاخ جو دریائے والگا کے وسطی حصے میں آباد ہیں بعض اہل علم باشکرد کو مجار (ہنگری)(عربی المجغر) قوم کا حصہ بتاتے ہیں جو شمالی قفقاز سے نقل مکانی کر کے شمالی علاقوں میں آباد ہوئے۔لیکن ترک محققین کا دعویٰ ہے کہ باشکرد ترک ہیں۔یہ لوگ بلغار (صقالبہ) کے ہمسایہ میں رہتے تھے۔مجغری آتش پرست تھے۔بلغاروں اور روسیوں سے لڑتے رہتے تھے۔یہی مجغر مغرب کی طرف ہجرت کرتے کرتے وسطی یورپ تک جا پہنچے جہاں آج ہنگری کی ریاست آباد ہیں۔

ہر باشکرد مرد لکڑی کا بنا ہوا عضو تناسل اپنے گلے میں ڈالے رکھتا ہے[1]۔ اگر اسے کبھی سفر پر جانا ہو یا کسی دشمن سے لڑنا ہو تو اس کو بوسہ دیتا ہے اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہو کر کہتا ہے "اے میرے رب میرا فلاں فلاں کام کر دے"۔

میں نے ترجمان سے کہا "ذرا ان میں سے کسی سے پوچھو کہ اس میں کیا منطق ہے اور وہ اس کو اپنا رب کیوں مانتے ہیں جب کہ یہ آلہ اس نے خود تراشا ہے" میں بھی انہی لوگوں کی طرح سوچتا اور سمجھتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کے سوا میرا کوئی اور بھی خالق ہے"

کچھ باشکرد بارہ خداؤں کو مانتے ہیں جن کے نام اس طرح ہیں:

1) خدائے زمستان
2) خدائے تابستان
3) خدائے باراں
4) خدائے باد
5) خدائے درختاں
6) خدائے مردمان
7) خدائے چہار پایان
8) خدائے آب
9) خدائے شب
10) خدائے روز
11) خدائے مرگ
12) خدائے زمین

وہ خدا جو آسمانوں پر رہتا ہے وہ سب سے بڑا خدا ہے اور اس آسمانی خدا کا ان بارہ خداؤں کے ساتھ مکمل اتفاق ہے اور ان بارہ خداؤں کے عمل میں آسمانی خدا کی رضامندی شامل ہوتی ہے اور ہر خدا اپنے ساتھی خدا کے عمل کی تائید و حمایت کرتا ہے۔

---

[1] عضو تناسل۔ کی پوجا کئی اقوام میں رائج رہی ہے۔ قدیم یونان اور اٹلی میں لنگ دیوتا کی پوجا کی جاتی تھی۔ لیکن جتنی خشوع و خضوع کے ساتھ ہندوستان میں ہندو مذہب کے ماننے والے شیو لنگ کی پوجا کرتے ہیں اتنی شدت کے ساتھ کسی اور قوم میں نہیں کی جاتی۔ ہندو عقیدے کے مطابق تو دیوتا یعنی برہما اور وشنو بھی شیو لنگ کی پوجا کرتے ہیں۔ اور ان دونوں دیوتاؤں کا فرمان ہے کہ ہر عورت و مرد پر لازم ہے کہ وہ بھی اس کی پوجا کریں، لہٰذا ہندو ہی نہیں بدھ مندروں میں لنگ کی پوجا کی جاتی ہے۔

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ باشکرد سانپ کی پوجا کرتے ہیں، کچھ مچھلی کی اور بعض لوگ سارس[1] کو پوجتے ہیں، مجھے بتایا گیا کہ ایک دفعہ باشکردوں کی ایک جماعت دشمن سے لڑ رہی تھی۔ اس لڑائی میں انہیں شکست ہوئی اور وہ پسپا ہونے لگے۔ عین اس وقت دشمن کی پشت پر سارسوں کی ایک ڈار نمودار ہوئی اور انہوں نے اتنے زور زور سے آوازیں نکالیں کہ دشمن سراسیمہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا اور باشکردوں کی ہار جیت میں بدل گئی۔ اس وجہ سے یہ لوگ کراکی (سارس) کی پوجا کرنے لگے۔ ان کا کہنا ہے کہ سارس (کراکی) نے ہمارے دشمن کو شکست دی اسی لئے وہ ہمارا رب ہے اور اسی لئے ہم اس کی پرستش کرتے ہیں۔

باشکردوں کی سرزمین سے روانہ ہو کر ہم نے دریائے ''جرمشان''[2] کو پار کیا اس کے بعد ہم نے دریائے ''اوزان''[3] دریائے ''اورم''[4]، دریائے ''بایناخ''[5]، دریائے ''وتیغ''[6] اور پھر دریائے ''نیاسنہ''[7] اور آخر میں دریائے ''جاؤشیر''[8] کو عبور کیا۔ ان دونوں دریاؤں کے درمیان کہیں دو کہیں تین اور کہیں چار چار دن کی مسافت تھی یا کہیں کم یا کہیں زیادہ۔

صقالبہ

جب ہم شاہ صقالبہ سے جس سے ملاقات کے لئے ہم آئے تھے ایک دن اور ایک رات کی مسافت کے فاصلے پر تھے تو اس نے (بادشاہ نے) اپنے چار سرداروں کو جن میں اس کے بھائی اور بیٹے شامل تھے ہمارے استقبال کے لئے روانہ کیا۔ وہ ہمارے لئے نان (روٹی) گوشت اور غلہ لے کر آئے۔ پھر ہمیں اپنے ساتھ لے کر بادشاہ کے محل کی جانب روانہ ہوئے۔ جب ہم محل سے کوئی دو فرسخ کے فاصلہ پر تھے تو بادشاہ خود چل کر ہمارے استقبال کے لئے آیا۔ ہمیں دیکھتے ہی سواری سے نیچے اترا اور زمین پر سجدہ ریز ہو گیا اور اللہ

---

1 عربی متن میں ''الکراکی'' استعمال ہوا ہے۔ اس کو لق لق بھی کہتے ہیں، قاز یا کونج بھی۔ یہ ایک آبی پرندہ ہے۔ اس کی ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں اور گردن دراز ہوتی ہے۔ اس کی چیخ بہت تیز ہوتی ہے۔

2 دریائے جرمشان۔ موجودہ نام دریائے کرمشان (Cirimsan)

3 دریائے اوزان۔ موجودہ نام دریائے یورین (Uren)

4 دریائے اورم۔ موجودہ نام دریائے اوریم یا یوریم (Urem)

5 دریائے بایناخ۔ موجودہ نام دریائے مایناMayna)

6 دریائے وتیغ۔ موجودہ نام دریا کا اُٹکا (Utka)

7 دریائے نیاسنہ۔ موجودہ دریا کا نام سلوفکا

8 جاؤشیر۔ موجودہ نام گاؤشرما جو دریائے کاما کا ایک چھوٹا معاون دریا ہے۔ یہی وہ دریا ہے جس کے کنارے ابنِ فضلان نے شاہ صقالبہ سے ملاقات کی تھی۔

عزوجل کا شکر ادا کیا۔ وہ اپنے ساتھ نقدم رقم لایا تھا جو اس نے ہم پر نچھاور کی۔ اس نے ہمارے ٹھہرنے کے لئے خیمے نصب کرائے اور ہم ان خیموں میں مقیم ہو گئے۔

اس طرح 310ھ کے ماہ محرم الحرام کی 12 تاریخ کو اتوار کے دن [1] اپنی منزل پر پہنچے۔ جرجانیہ سے اس شہر کا فاصلہ ستّر (70) دن کا تھا[2]۔ آمد کے بعد اتوار، پیر، منگل اور بدھ کے دن ہم نے ان خیموں کے اندر ہی آرام کیا جو ہمارے لئے لگائے گئے تھے۔ جمعرات کے دن بادشاہ نے سرداروں فوجی افسروں اور عمائدین [3] کو طلب کیا تاکہ سب لوگ خلیفہ کی طرف سے آنے والے خط کا مضمون سن لیں۔ چنانچہ ہم اپنے خیموں سے باہر نکلے، اپنے وہ دو پرچم جو ہم اپنے ہمراہ لائے تھے فضا میں لہرائے، بادشاہ کو سیاہ رنگ کا لباس [4] پہنایا اور اس کے سر پر عمامہ باندھا۔ پھر میں نے خلیفہ کا خط نکالا اور بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا "جب خلیفہ کا خط پڑھا جاتا ہے تو کسی کو بیٹھے رہنے کی اجازت نہیں ہوتی"۔ اس پر بادشاہ اٹھ کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ تمام حاضرین بھی جن میں عمائدین سلطنت بھی شامل تھے کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ فربہ اندام تھا اور اس کا پیٹ بہت موٹا تھا۔

میں نے خلیفہ کا خلیفہ کا خط پڑھنا شروع کیا اور جب اس جملے پر پہنچا کہ "سلام علیك فانی احمدالیك الله الذی لااله الاهو"۔ "تم پر اللہ کی سلامتی ہو، احمد اللہ (میں اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں) کہ میں تم سے مخاطب ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔" تو میں نے بادشاہ سے کہا کہ وہ امیر المومنین کے سلام کا جواب دے۔ تو اس نے وعلیکم السلام کہا اور اس کے ساتھ ہی تمام حاضرین نے بھی سلام کا جواب دیا۔ مترجم نے خلیفہ کے خط کا حرف بہ حرف ترجمہ کیا اور بلند آواز میں حاضرین کو سنایا۔ جب خط پڑھا جا چکا تو لوگوں نے ایسے پرجوش طریقے سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ زمین لرز گئی (ارتجحت لها الارض)۔

اس کے بعد میں نے خلیفہ کے وزیر حامد ابن العباس [5] کا خط پڑھ کر سنایا۔ اس دوران بادشاہ اور اس کے عمائدین بدستور کھڑے رہے۔ خط پڑھنے کے بعد میں نے انہیں بیٹھ جانے کو کہا تو سب بیٹھ گئے۔ اس کے بعد میں نے نذیر الحرمی کا فرستادہ خط پڑھا۔ جب اس خط کی خواندگی ختم ہوئی تو بادشاہ کے عمائدین نے ہم پر بڑی تعداد میں درہم نچھاور کئے۔

---

1 مطابق 12 مئی 922ء

2 جرجانیہ سے بلغاریہ پایہ تخت ستر فرسخ (420۔ کلومیٹر) کے فاصلہ پر واقع تھا ابنِ فضلان نے یہ فاصلہ ستر دن میں طے کیا۔ روزانہ اوسطاً چھ کلومیٹر سفر کرتا تھا۔

3 حتی جمع الملوك والقواد واهل بلده

4 سیاہ رنگ کا لباس عباسیوں کا نشان تھا۔ ان کا علم بھی سیاہ رنگ کا تھا۔

5 حامد بن العباس خلیفہ المقتدر کا 304ھ تا 311ھ (918 تا 923ء) تک وزیر تھا۔ اسی کے دورِ وزارت میں سفارت بھیجی گئی تھی۔ حامد بن عباس کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ حامد بن عباس کوئی اہل وزیر نہ تھا۔ وہ شان و شوکت کا دلدادہ تھا۔ اس کے مزاج میں تندی اور سختی تھی۔ وہ بڑی جلدی غیض و غضب میں آجاتا تھا۔ بڑی سنگدلی سے روپیہ بٹورتا تھا۔ بہت بدعنوان تھا مگر اس کی فیاضی اور داد و دہش نے اس کے عیوب پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ اس کے سارے کام ایک سابق وزیر علی بن عیسیٰ کرتا تھا جبکہ حامد بن عباس جو ایک بہت بڑا تاجر تھا اپنے کاروبار میں مصروف رہتا تھا۔ وہ وزارت کو صرف اپنے کاروبار کے لئے استعمال کرتا تھا۔ خلیفہ المقتدر 25 برس بر سر اقتدار رہا۔ اس

اس کے بعد میں نے تحائف نکالے جو ہم بادشاہ اور اس کی بیوی کے لئے لائے تھے جن میں عطر، ملبوسات اور مروارید شامل تھے۔ میں نے بادشاہ اور اس کی بیوی کو ایک ایک کر کے تحائف دکھائے۔ تحائف کی نمائش ختم ہوئی تو میں نے بادشاہ کی بیوی کو جو اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی سب لوگوں کی موجودگی میں خلعت پہنائی۔ ان کے رواج کے مطابق بیوی تخت پر بادشاہ کے بیٹھتی ہے[1]۔ جب میں اسے خلعت پہنا چکا تو وہاں عورتوں نے اس پر پیسوں (درہموں) کی بارش کر دی[2]۔ اس کے بعد ہم وہاں سے رخصت ہو کر اپنے خیموں میں چلے آئے۔

بمشکل ایک گھنٹہ گزرا تھا کہ بادشاہ نے ہمیں بلا بھیجا۔ ہم اس کی خرگاہ میں پہنچے۔ وہاں پر ہم نے دیکھا کہ وہ ایک تخت (صریر) پر فروکش ہے جو دیبائے رومی[3] سے آراستہ تھا۔ اس کے دائیں جانب اس کے تمام سردار بیٹھے تھے اور اس کے مقابل اس کی اولاد بیٹھی

کا زمانہ شورشوں اور بغاوتوں کا زمانہ تھا۔ اس کے دورِ خلافت میں یکے بعد دیگرے تیرہ امراء وزارت کے عہدے پر فائز رہے۔ جن میں بعض وزیر کا عہد وزارت چند ماہ سے زیادہ نہ تھا۔ وزیروں کے نام یہ ہیں۔

1) عباس بن حسن اس نے المقتدر کا خلیفہ بنایا
2) ابوالحسن علی بن فرات (ربیع الاول 296ھ تا ذوالحجہ 299ھ)
3) ابو محمد بن عبید الدین یحییٰ
4) علی بن عیسیٰ (300ھ تا 304ھ)
5) ابوالحسن علی بن فرات (304ھ تا 306ھ)
6) حامد بن عباس 306ھ تا 311
7) ابوالحسن علی بن فرات 311ھ تا 314ھ
8) ابو علی محمد بن عبید اللہ
9) ابوالعباس احمد بن عبید اللہ بن احمد بن خصیب۔ 214ھ میں معزول ہوا
10) ابو محمد بن علی بن مقلہ 314ھ میں معزول ہوا۔
11) ابوالقاسم سلیمان بن حسن بن مخلد
12) عبید اللہ بن محمد کلوواذانی
13) حسین بن قاسم بن عبد اللہ بن سلیمان 319 میں معزول ہوا
14) ابوالفضل جعفر بن فرات 320 ہجری میں المقتدر کے قتل تک وزیر رہا۔

[1] ترکوں کی طرح بلغاروں میں بھی پردہ کا رواج نہیں تھا۔ بلکہ بادشاہ کے برابر میں تخت پر بیٹھتی تھی اور عمائدین کی بیگمات مجلس میں مردوں کے شانہ بشانہ شریک ہوتی تھیں۔ چنانچہ جب ابنِ فضلان نے ملکہ کو خلعت پہنائی تو دربار میں موجود عورتوں نے نعرہ ہائے تحسین بلند کئے اور اس پر روپوں کی بارش کی۔

[2] مہمانوں پر پھولوں اور پیسوں کی بارش کرنے کا رواج بہت قدیم ہے۔ دنیا کے قریب قریب تمام پرانی تہذیبوں میں اس کا رواج رہا ہے۔ پاکستان میں خوشی کے موقعوں پر خاص کر شادی بیاہ کے موقعہ پر آج بھی روپیہ پیسہ نچھاور کیا جاتا ہے۔

[3] الدیباج رومی۔ ایک ریشمی کپڑا جو چوتھی صدی ہجری میں بہت مشہور تھا۔ یہ کپڑا بازنطینی علاقوں میں بنا کرتا تھا اور اسلامی ملک اسے درآمد کیا کرتے تھے۔

تھی۔اس نے ہمیں اپنے بائیں جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ہم وہاں پر جا کر بیٹھ گئے۔اس نے کھانا لانے کا حکم دیا۔ کھانا لایا گیا جو صرف گوشت [1] پر مشتمل تھا۔ کھانے کی ابتداء خود اس نے کی۔اس نے ایک چھری اُٹھائی، گوشت کی ایک بوٹی کاٹی اور خود کھانے لگا۔اس کے بعد ایک اور بوٹی کاٹی اور کھالی، اس کے بعد ایک اور نوالہ لیا۔اس کے بعد اس نے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا کاٹا کاٹا اور اسے سفیر سوسن کی طرف بڑھا دیا۔ جب سفیر سوسن گوشت کا ٹکڑا وصول کر رہا تھا تو اس کے آگے چھوٹی سی میز لا کر رکھ دی گئی۔ یہاں کا رواج ہے کہ جب تک بادشاہ لقمہ عطا نہ کرے کوئی شخص کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا اور جوں ہی بادشاہ کسی کی طرف لقمہ بڑھاتا ہے تو وہ فوراً ہی ایک میز اس کے سامنے لا کر رکھ دی جاتی ہے۔

پھر بادشاہ نے ایک قتلہ گوشت میری طرف بڑھایا۔اس کے بعد اس نے ایک تکہ گوشت اپنے دائیں جانب بیٹھے ہوئے سردار کو دیا۔ چنانچہ فوراً ہی اس کے لئے بھی ایک میز آگئی۔اس کے بعد اس گوشت کی بوٹیاں اپنے بیٹوں کی دیں اور ان کے سامنے بھی چھوٹی چھوٹی میزیں لا کر رکھ دیں گئیں۔

ہر شخص نے وہی کھایا جو بادشاہ نے اس کو دیا اور یا جو اس کی میز پر رکھا گیا۔ کسی نے دوسروں کی میز پر سے کچھ نہیں اٹھایا بلکہ جب کھانا ختم ہوا تو جس کی میز پر جو کچھ بچا تھا وہ اس کو اُٹھا کر اپنے گھر لے گیا۔

کھانا ختم ہونے کے بعد بادشاہ نے شراب العسل [2] لانے کا حکم دیا۔ جو شہد سے بنائی جاتی ہے اور جس کو ''سجو'' کہتے ہیں اور جس کو تیار کرنے میں ایک دن اور ایک رات کا وقت درکار ہوتا ہے۔ یہاں کے لوگ دن رات یہی مشروب پیتے رہتے ہیں۔

بادشاہ نے اس مشروب کا ایک پیالہ نوش کیا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور بولا ''اللہ میرے آقا امیر المومنین کی عمر دراز کرے، آج میں بہت خوش ہوں''۔ جوں ہی وہ کھڑا ہوا چاروں سردار (الملکوک الاربعہ) اور اس کے بیٹے بھی کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ ہم بھی کھڑے ہو گئے۔ س نے یہی بات تین دفعہ دہرائی اور تین ہی دفعہ حاضرین نے بھی اس کو دہرایا۔اس کے ساتھ ہی مجلس برخواست ہو گئی اور ہم اس سے رخصت ہو کر پھر اپنے خیموں میں آگئے۔

میری آمد سے پہلے یہاں منبر سے جو خطبہ پڑھا جاتا تھا وہ اس طرح سے تھا: **اللھم اصلح الملك یلطوار ملك بلغار** (اے اللہ بلغاروں کے بادشاہ یلطوار کو نیک و صالح بنا)۔ میں نے بادشاہ سے کہا ''بے شک اللہ خود بادشاہ ہے اور اس کے سوا کوئی عظمت

---

1 اس دعوت میں صرف ایک ہی کھانا تھا یعنی گوشت۔ گوشت غالباً بھنا ہوا کہ جس کے قتلے کر کے مدعوئین میں تقسیم کیا گیا۔

2 شراب العسل۔ عربی میں شربت کو شراب کہتے ہیں۔ شراب کے لئے ''خمر'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یہ شربت شہد سے بنایا جاتا تھا۔ نبیذ کی طرح یہ بھی مفرح شربت تھا۔ یہ شربت شہد میں خمیر اٹھا کر بنایا جاتا تھا اور اس کے بنانے میں ایک دن اور ایک رات کا عرصہ لگتا تھا۔ چونکہ بلغار علاقے میں جنگلوں کی بہتات تھی وہاں شہد کی مکھیاں بے شمار تھیں۔ چنانچہ شہد بھی بڑی مقدار میں پیدا ہوتا تھا۔ مسلمان اس علاقے سے بڑی میں شہد درآمد کیا کرتے تھے۔ شراب العسل غالباً نشہ آور شربت نہیں تھا، کیونکہ اگر یہ نشہ آور ہوتا تو ابنِ فضلان جیسا معلم اور فقیہ نہ یہ کہ اس کو خود نہیں پیتا بلکہ بادشاہ کو بھی نہ پینے کی تلقین کرتا کیونکہ وہ ایک معلم اور فقیہ کی حیثیت سے بلغارستان گیا تھا۔

والا (جلّ) اور عزت والا (عزّ) نہیں۔اس منبر سے اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہیں پکارا جانا چاہئے۔اپنے آقا امیر المومنین کو دیکھو۔وہ اس بات سے راضی ہے کہ مشرق و مغرب کے منابر سے اس کے لئے یہ کہا جائے ''**اللھم اصلح عبدك وخليفتك جعفر الامام المقتدر بالله امير المومنين**۔''(اے اللہ اپنے بندے اور اپنے خلیفہ امام جعفر المقتدر باللہ امیر المومنین کو صالح بنا)۔ یہی بات اس کے باپ دادا کی تھی جو اس سے پہلے خلیفہ تھے۔پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''**لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسی ابن مریم فانما انا عبدا لله ورسوله**(میری اتنی ستائش نہ کرو جتنی عیسائی حضرت عیسیٰ بن مریم کی کرتے ہیں بلکہ میں تو اللہ کا بندہ ہوں اور اس بھیجا ہوا رسول اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا پیغمبر کہو)۔

بادشاہ نے مجھ سے پوچھا ''تو پھر میرے نام کا خطبہ کس طرح پڑھا جائے گا'' میں نے جواب دیا ''اپنے نام اور اپنے باپ کا نام کا'' اس پر اس نے کہا ''لیکن میرا باپ تو کافر تھا''۔میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ منبر سے اس کا نام لیا جائے اور نہ ہی میں چاہتا ہوں کہ خطبہ میں میرا نام لیا جائے کیونکہ میرا نام ایک کافر نے رکھا تھا۔یہ بتاؤ کہ میرے مولا امیر المومنین کا نام کیا ہے۔

''جعفر'' میں نے بتایا۔

''کیا یہ ممکن ہے'' وہ بولا میں بھی جعفر کے نام سے پکارا جاؤں اور میرا باپ عبداللہ کہلائے''۔

''ہاں'' میں نے جواب دیا۔

تو پھر میں نے فیصلہ کر لیا کہ میرا نام جعفر بن عبداللہ ہے'' وہ بولا ''مہربانی کر کے خطیب کو اس امر کی ہدایت کر دو کہ خطبے میں میرا یہی نام لیا جائے''۔

اس کے بعد خطبہ اس طرح سے پڑھا جانے لگا۔''**اللھم واصلح عبدك جعفر بن عبدالله امير بلغار مولیٰ امير المومنين**''(خدایا اپنے بندے جعفر بن عبداللہ مولیٰ امیر المومنین کو نیک راہ پر چلا)[1]۔

خط پڑھے جانے اور تحائف کی تقسیم کے تین دن بعد اس نے مجھے پھر بلا بھیجا کیونکہ اس اثناء میں اس کا ان چار ہزار دینار کا خیال آیا جو خلیفہ نے اس کے لئے بھیجے تھے اور جس کا خلیفہ نے اپنے خط میں ذکر کیا تھا۔لیکن ہم یہ رقم اس حیلہ جو نصرانی کی چال بازی کے سبب اپنے ساتھ نہ لا سکے تھے[2]۔

---

1 ابنِ فضلان کی آمد سے پہلے خطبہ میں دعا کی جاتی تھی کہ ''اے اللہ شاہ بلغار یلطوار کو نیک و صالح بنا'' اس میں ترمیم کر کے ابنِ فضلان نے یوں کر دیا ''اے اللہ اپنے بندے جعفر بن عبداللہ امیر بلغار و مولائی امیر المومنین کو نیک و صالح بنا''۔

2 المقتدر کے ایک سابق وزیر ابوالحسن علی بن فرات کی ایک جاگیر خوارزم کے علاقے میں واقعہ شہر ارتخشمثین میں تھی۔المقتدر نے اس کو ضبط کر کے اس کی آمدنی کو بلغار کی سفارت کے لئے مختص کر دیا تھا اور امیر بخارا کو ہدایت کی تھی کہ اس جائیداد کا قبضہ ابنِ فرات کے منظم فضل بن موسیٰ نصرانی سے لے کر احمد بن موسیٰ کو دے دیا جائے اور انتقالِ جائیداد کی رسید بھی احمد بن موسیٰ کو دے دی جائے۔احمد بن موسیٰ چار ہزار دینار کی وہ رقم لے کر بغداد سے بخارا آ رہا تھا جو المقتدر نے مسجد و منبر اور قلعہ

جب میں اس کے حضور میں حاضر ہوا تو اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں بیٹھ گیا۔ جب میں بیٹھ گیا۔ تو اس نے امیر المومنین کا خط میری طرف اچھال دیا اور کہا ''یہ خط کون لے کر آیا؟'' میں نے جواب دیا ''میں لایا'' پھر اس نے وزیر کا خط میری طرف پھینکا اور پوچھا ''یہ بھی تم لائے''۔ میں نے کہا ''ہاں یہ بھی میں ہی لایا''۔ اس پر وہ بولا ''تو پھر وہ رقم کہاں ہے جس کا ان دونوں خطوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ کیا کیا تم نے اس رقم کا؟''۔

میں نے جواب دیا ''روانگی کا وقت تنگ تھا۔ میں (خزانے سے) رقم وصول نہ کر سکا اندیشہ تھا کہ اگر رقم وصول کرنے میں زیادہ وقت لگ گیا تو کہیں ہمیں ترک علاقے میں داخل ہونے میں دیر نہ ہو جائے (چنانچہ) یہ رقم ہم وہیں چھوڑ آئے تاکہ ہمارے بعد آنے والے اسے ساتھ لے آئیں''۔

اس نے کہا ''تم آئے تمہارے ساتھ بہت سے لوگ آئے اور میرے آقا نے تم پر اتنا سارا خرچ صرف اس لئے کیا کہ تم اس کی عطا کردہ رقم مجھ تک پہنچاؤ تاکہ میں اس رقم سے قلعہ تعمیر کروں جو مجھے ان یہودیوں کی جارحیت سے محفوظ رکھے گا جنہوں نے مجھے غلام بنا رکھا ہے [1]۔

اس کے جواب میں میں نے کہا ''بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں۔ مگر ہم نے اپنی سی کوشش کی''۔

اس نے ترجمان سے کہا ''میں دوسرے لوگوں کو نہیں جانتا۔ میں صرف تم کو جانتا ہوں کیونکہ دوسرے لوگ تو غیر عرب ہیں [2]۔ میرے مولا امیر المومنین ایدہ اللہ [3] اگر یہ سمجھتے ہیں دوسرے لوگ جو غیر عرب ہیں وہ سب کچھ کرنے کے قابل ہیں جو تم کر سکتے ہو تو میری حفاظت کے لئے اور یہ خط پڑھ کر سنانے اور میرا جواب سننے کے لئے وہ تم کو نہ بھیجتے۔ تمہارے سوا میں کسی اور سے ایک درہم کا بھی تقاضا نہیں کروں گا۔ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم وہ رقم دیدو''۔

اور دیگر دفاعی تنصیبات کے لئے شاہ صقالبہ کو عنایت کی تھی۔ فضل بن موسیٰ نصرانی نے جو علاقہ کا ایک بااثر شخص تھا احمد بن موسیٰ کو گرفتار کرا دیا اور اس طرح ابنِ فضلان وہ رقم اپنے ساتھ لینے سے محروم رہا۔ جس سے شاہ صقالبہ کے سامنے سفارت کاروں کو شرمندگی اٹھانے پڑی۔

1 اس وقت سیاسی صورتحال یہ تھی کہ خزر خاقان بہت طاقتور تھا اور اس نے پاس پڑوس کی کی چھوٹی چھوٹی اور کمزور قومیں کو باج گزار بنا رکھا تھا اور اپنے باج گزاروں کے ساتھ اس کا رویہ ایسا تھا جیسا کہ وہ اپنے غلاموں کے ساتھ روا رکھتا تھا۔ خاقان نے المش کے ایک بیٹے کو بطور یرغمال اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ صقالبہ کی ایک شہزادی کو زبردستی اُٹھا کر لے گیا تھا جس نے خاقان کے محل میں جا کر خودکشی کر لی تھی کیونکہ وہ مسلمان تھی اور خاقان یہودی تھا۔ شاہ صقالبہ غلامی کا جوئے اپنی گردن سے اُتار پھینکنا چاہتا تھا اور اسی غرض سے اس نے امیر المومنین سے امداد کی درخواست کی تھی جو اُسے نہ پہنچ سکی۔

2 ابنِ فضلان بھی عرب نہیں تھا وہ ایک ممتاز اور بااثر امیر محمد بن سلیمان کا غلام تھا جس کو اس نے آزاد کر دیا تھا۔ محمد بن سلیمان نے المقتدر کے بھائی خلیفہ مکتفی باللہ کے زمانے میں بڑا عروج پایا تھا۔ اس نے شام میں قرامطہ کی شورش اور مصر میں طولونی حکومت ختم کر کے عباسیوں کے اقتدار کو مستحکم بنایا۔ المقتدر کے زمانے میں بھی اس کئی مہمات کی قیادت کی۔ مگر رے میں صعلوک کی بغاوت کو فرو کرنے میں کام آیا۔ محمد بن سلیمان ابنِ فضلان کی روانگی سے بہت پہلے وفات پا چکا تھا۔ یلطوار ابنِ فضلان کی عربی دانی اور اس کے علم و فضل کے باعث اس کو عرب سمجھتا ہو گا۔

3 اللہ ان کا مددگار ہو۔

یہ سن کر میں وحشت زدہ اور غمگیں ہو کر اپنی قیام گاہ پر چلا آیا۔

بادشاہ یلطوار خوش شکل اور بارعب شخصیت چوڑے چکلے شانے اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا مگر جب وہ بولتا تو یوں لگتا جیسے کوئی پھٹا ہوا ڈھول بج رہا ہو۔

اپنے خیمے میں پہنچ کر میں نے ہمراہیوں اور دوستوں کو جمع کیا اور بادشاہ کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی ان سب کو آگاہ کیا۔ میں نے ان سے کہا ''مجھ کو اسی بات کا ڈر تھا''

بادشاہ کا موذّن اذان میں دو بار اقامہ کہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہارے آقا امیر المومنین کے یہاں تو اقامہ صرف ایک بار کہا جاتا ہے۔ اس پر اس کے موذّن سے کہا گیا کہ ''جو یہ کہہ رہا ہے اسے مان لو اور اس کی تردید مت کرو'' لہٰذا کئی روز تک اذان میں اقامہ صرف ایک بار جاتا رہا اور وہ مجھ سے رقم کی ادائیگی کا تقاضا کرتا رہا اور میں اس کو سمجھاتا رہا۔ پھر وہ مایوس ہونے لگا اور جب پوری طرح سے مایوس ہو گیا تو اس نے موذّن کو حکم دیا کہ پھر سے ایک کی جگہ دو بار اقامہ کہا جائے۔ چنانچہ موذّن نے پھر سے دو بار اقامہ کہنا شروع کر دیا۔ اس نے یہ حکم مجھے پریشان کرنے کی غرض سے دیا۔ چنانچہ جب میں نے موذّن کو پھر سے دو بار اقامہ کہتے سنا تو میں نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا اور اس پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ جب بادشاہ کو میری خفگی کا علم ہوا تو اس نے مجھے اور میرے ہمراہیوں کو اپنے پاس بلا بھیجا۔

جب ہم اس کی خدمت میں پہنچے تو اس نے ترجمان سے کہا ''اس سے یعنی مجھ سے پوچھو کہ ان کا دو موذّنوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن میں سے ایک تو اذان میں ایک بار اقامہ کہتا ہے اور پھر نماز کی امامت کرتا ہے تو کیا ایسی نماز جائز ہو گی کہ ناجائز ہو گی۔

میں نے اس کا جواب دیا ''نماز جائز ہو گی''۔

''بہ لحاظ اجماع'' میرا جواب تھا۔

اس نے ترجمان سے کہا ''اس سے یعنی مجھ سے یہ بھی پوچھو کہ ایسے شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جو ناتواں بے کس اور محصور لوگوں کو (بطور امداد) دی جانے والی رقم میں خیانت کا مرتکب ہو''۔

''ایسا (خیانت) کرنا درست نہیں ہے' میں نے کہا ''ایسے لوگ بُرے ہوتے ہیں''

''اختلاف فقہ یا وجہ سے یا اجماع کے سبب'' اس نے دریافت کیا

''اجماع کے لحاظ سے'' میں نے جواب دیا۔

اس پر اس نے ترجمان سے کہا کہ اس سے پوچھو کہ امیر المومنین اطال اللہ بقاءہ (خُدا ان کی عمر دراز کرے) اگر وہ میرے خلاف فوج کشی کرتے ہیں تو کیا وہ مجھ پر حاوی ہو جائیں گے؟۔

میں نے جواب دیا''نہیں''

اس نے پوچھا''اور امیر خراسان''۔

میں نے جواب دیا''نہیں''

اس نے کہا''کیونکہ امیر المومنین اور میرے ملک کے درمیان فاصلہ بہت زیادہ ہے' نیز ہمارے اور ان کے درمیان کافروں کے بے شمار قبائل موجود ہیں؟''۔

''ہاں اسی وجہ سے''

اس نے ترجمان سے کہا''اس سے کہو کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو میرا مسکن امیر المومنین سے بہ زیادہ دور واقع ہے مگر اس دوری کے باوجود میں اپنے مولا امیر المومنین سے ڈرتا ہوں۔ وجہ اس کی یہ ہے مجھے اس بات کا خوف رہتا ہے کہ کہیں وہ میرے بارے میں کوئی ایسی باتیں نہ سن لیں جو انہیں پسند نہیں اور جس کی وجہ سے (ناراض ہو کر) وہ اللہ سے میرے حق میں کوئی بددُعا کر دیں اور میں اپنے ہی گھر میں ہلاک ہو جاؤں۔ لہٰذا اتنے طویل فاصلے کے باوجود میں امیر المومنین سے ڈرتا ہوں۔ لیکن ایک تم ہو کہ اس کا دیا کھاتے ہو' اس کے دیئے ہوئے کپڑے پہنتے ہو اور اس کے قریب رہتے ہو مگر تم نے اس کو دھوکہ دیا ہے۔ اس نے جس کام کے لئے تم کو ہم کمزور لوگوں کے پاس بھیجا تھا تم نے اس کام کے کرنے میں خیانت کی' تم نے مسلمانوں کے ساتھ بے وفائی کی ہے میں مذہبی معاملات میں تمہاری رہنمائی اس وقت تک قبول نہیں کروں گا جب تک کہ کوئی ایسا آدمی نہیں آجاتا جو اپنے عمل سے ثابت کرے کہ اس کو ہماری بھلائی مطلوب ہے۔ جب کوئی ایسا آدمی میرے پاس آئے گا تو میں ''ضرور اس کی بات مانوں گا''۔ اس تقریر نے ہمیں لاجواب کر دیا۔ چنانچہ ہم وہاں سے واپس آگئے۔

اس کے بعد اس نے میرے ساتھیوں سے سرد مہری کا برتاؤ شروع کر دیا اور ان سے دوری اختیار کرنے لگا۔ اس کے برعکس وہ میرا پہلے سے بھی زیادہ احترام کرنے لگا اور مجھے اپنے قریب کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر وہ مجھے ''ابو بکر الصدیق''[1] کہنے لگا۔

عجائبات صقالبہ

میں نے اس ملک میں اتنی زیادہ انوکھی باتیں (عجائبات) دیکھیں کہاں سب کا بیان کرنا ممکن نہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے یہاں پہنچنے کے بعد جب رات آئی تو غروب آفتاب سے کوئی گھنٹہ بھر پہلے افق انتہائی گہرا سرخ ہو گیا۔ آسمان سے زور زور

---

1 غالباً اس کی راست گوئی کے باعث بادشاہ ابنِ فضلان کو الصدیق کہنے لگا تھا۔

سے آوازیں آنی شروع ہو گئیں اور بہت ہی شور وغل بپا ہوا اور فضا شہد کی مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ سے معمور ہو گئی۔ میں نے جب آسمان کی جانب سر اُٹھا کر دیکھا تو تو ایک سُرخ بادل کو آتشیں گولے کی طرح سے اپنی جانب لپکتا ہوا محسوس کیا۔ یہ شور وغل اور کرخت آوازیں اسی بادل سے آرہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس بادل کے اندر انسانوں اور گھوڑوں سے ملتی جلتی کوئی چیز چھپی ہوئی ہے اور یہ انسان سے مشابہ بھوت پریت اپنے ہاتھوں میں تلوار اور بھالے (لئے) ہوئے ہیں۔ اسی دوران میں ایک اور بادل نمودار ہوا جو پہلے والے بادل جیسا ہی تھا۔ مجھے اس میں بھی انسان، جانور اور ہتھیار نظر آئے۔ پھر یہ دونوں بادل گتھم گتھا ہو گئے جیسے میدانِ جنگ میں دو مخالف فوجیں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ ہم سب اس حیرت انگیز مظاہر قدرت کا مشاہدہ کر کے وحشت زدہ رہ گئے اور گریہ وزاری کرنے اور دعائیں مانگنے لگے۔ یہاں کے لوگوں نے ہماری اس حالت کا مذاق اڑایا اور ہماری حرکت پر حیرت ظاہر کی۔

ہم ان بادلوں کو باہم دست و گریباں ہوتے دیکھتے رہے، کبھی وہ آپس میں بھڑ جاتے اور کبھی ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے۔ یہ تماشارات گئے تک جاری رہا پھر دونوں بادل غائب ہو گئے۔

ہم نے جب بادشاہ سے اس بارے میں بات کی تو اس نے دعویٰ کیا کہ ان کے باپ دادا کہا کرتے تھے کہ یہ مومن اور کافر جن ہیں جو ہر روز شام کے وقت ایک دوسرے سے بر سر پیکار ہوتے ہیں اور وہ جب سے وجود میں آئے ہیں کوئی رات ایسی نہیں گزری کہ ان دونوں میں لڑائی نہ ہوئی ہو۔

ابنِ فضلان نے کہا کہ

''ایک دن ایک درزی جو بغداد کا رہنے والا تھا اور کسی وجہ سے اس شہر میں آگیا تھا اور اب وہ بادشاہ کے ملازمین میں شامل تھا ملنے کی غرض سے میرے خیمے میں آیا۔ ہمیں باتیں کرتے ہوئے بمشکل اتنی دیر ہوئی کہ جتنی دیر میں آدمی کو سورۃ فاتحہ اور آخری سپارے کی سات سورتوں کی تلاوت میں لگتی ہے کہ ناگاہ اذان کی آواز بلند ہوئی۔ ہم نماز کے لئے خیمے سے باہر نکلے۔ دیکھا تو سحر ہو چکی ہے جب کہ ہم عشاء کی اذان کا انتظار کر رہے تھے۔ موذّن سے بات کی اور اس سے پوچھا کہ ''یہ کون سی نماز کی اذان ہے''۔

اس نے جواب دیا ''فجر کی نماز کی''۔

میں نے پوچھا ''اور عشاء کی اذان؟''۔

وہ بولا ''وہ تو مغرب کی اذان کے ساتھ ہی ہو جاتی ہے''۔

اس درزی نے کہا کہ یہاں پر رات مختصر ہوتی ہے مگر اب ذرا لمبی ہونے لگی ہے۔اس نے بتایا کہ وہ گزشتہ ایک مہینے سے رات بھر نہیں سویا مبادا اس کی آنکھ نہ کھلے اور فجر کی نماز قضا ہو جائے۔اسی طرح مغرب کی نماز کے لئے وضو کرنے کی غرض سے پانی گرم کرنے کے لئے چولہے پر رکھتا ہے تو جب تک پانی گرم ہوتا ہے عشاء کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے[1]۔

ابنِ فضلان نے کہا:

''میں نے دیکھا کہ یہاں سال کے ایک حصے میں دن نہایت طویل ہوتا ہے اور جب دن طویل ہوتا ہے تو رات بہت چھوٹی ہوتی ہے پھر رات لمبی ہونے لگتی ہے اور دن چھوٹا ہونے لگتا ہے اور پھر رات طویل ہو جاتی ہے اور دن بہت مختصر ہو جاتا ہے۔

اپنی آمد کے دوسرے دن میں رات کے وقت اپنے خیمے کے باہر بیٹھا تھا۔میں نے آسمان کی منہ اُٹھا کر دیکھا تو مجھے آسمان پر چند ہی ستارے دکھائی دیئے۔میں نے شمار کیا تو وہ تعداد میں صرف پندرہ تھے جو وسیع و عریض آسمان میں دور دور تک بکھرے ہوئے تھے۔میرا خیال ہے کہ غروب آفتاب کے وقت یہاں آفتاب کے وقت جو سرخی چھا جاتی ہے وہ پوری طرح سے معدوم نہیں ہوتی جس کے سبب رات دیادہ تاریک نہیں ہوتی۔یہی وجہ ہے کہ یہاں رات کی تاریکی میں آدمی کو انتی دور سے پہچان لیا جاتا ہے جتنی دور کمان سے تیر نکل کر جاتا ہے[2]۔

میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ یہاں پر چاند آسمان کے وسط میں نہیں ہوتا بلکہ اس کے بیرونی حصے میں کچھ دیر کے لئے نظر آتا ہے اور اس کے بعد سحر نمودار ہو جاتی ہے اور ماہتاب غروب ہو جاتا ہے۔بادشاہ نے مجھے بتایا کہ یہاں سے تین ماہ کی مسافت پر واقع ''ویسو''[3] نامی ایک قوم رہتی ہے۔ان کی رات ہماری رات سے بھی مختصر ہوتی ہے'ایک گھنٹے سے بھی کم۔

میں نے یہاں پر طلوع آفتاب کا منظر بھی دیکھا۔صبحدم ہر چیز'زمین'پہاڑ اور ہر وہ چیز جس پر انسان کی نظر پڑتی سرخ دکھائی دیتی ہے۔سورج سرخ رنگ کا ایک بڑا سا گولا دکھائی دیتا ہے۔اور نصف النہار تک پہنچنے تک فضا پر سُرخی چھائی رہتی ہے۔شہر والوں نے مجھے بتایا کہ جب سردی کا موسم آتا ہے تو رات دن سے لمبی ہو جاتی ہے اور دن رات سے چھوٹا ہو جاتا ہے۔اگر کوئی شخص صبحدم اس

---

1 یہاں قدرے مبالغہ سے کام لیا ہے۔مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان یقیناً وقفہ بہت کم ہوتا ہے خاص کر شمالی منطقے میں مگر اتنا بھی کم نہیں ہوتا کہ پانی بھی گرم نہ ہو سکے۔

2 شمالی منطقے میں غروبِ آفتاب کے بعد بھی کافی دیر تک اجالا رہتا ہے۔انگلستان اور شمالی یورپ کے ملکوں میں رات کے دس ساڑھے دس بجے تک اُجالا رہتا ہے جس میں قدرے دور تک کی چیزیں نظر آجاتی ہیں۔

3 فنسی(Finnish)نسل کے لوگ جو بلغاروں کے شمال مغرب میں بیلوئے جھیل کے قریب رہتے تھے۔بیلوئے جھیل سینٹ پیٹرز برگ کے مشرق میں واقع ہے۔شاہ صقالبہ نے اپنے شہر سے ویسو تک کا فاصلہ تین ماہ کی مسافت بتایا تھا جو تقریباً کوئی ساڑھے پانچ سو کلو میٹر بنتا ہے۔بعض ماہرین کا خیال ہے کہ ویسو وہ لوگ تھے جو آج سفید روسی Bielo Russe کہلاتے ہیں۔

شہر سے نکل کر اُتل[1] نامی شہر جو یہاں سے ایک فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے جانے کے لئے چلے تو اس کے وہاں پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہو جاتا ہے اور آسمان پر تارے نکل آتے ہیں۔

یہاں لوگ کتوں کے بھونکنے کو کو نیک فال خیال کرتے ہیں اور خوش قسمت ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کتوں کے بھونکنے سے (زمین کی) زرخیزی بڑھتی ہے اور برکت اور خوش حالی آتی ہے۔

میں نے دیکھا کہ اس ملک میں سانپ بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں اور ایک ایک درخت پر دس دس سانپ دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں کے لوگ سانپ کو نہیں مارتے اور نہ سانپ کسی کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے ایک بستی میں بہت ہی اونچا درخت دیکھا جو ایک سو ہاتھ (ذراع) سے زیادہ لمبا تھا۔ یہ درخت جڑ سے اکھڑ کر زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کا تنا بہت ہی موٹا تھا۔ میں اس کے قریب کھڑا ہوا اِسے دیکھ رہا تھا کہ ناگاہ اس نے ہلنا شروع کر دیا جس سے میں ڈر گیا اور مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ پھر میں ڈرتے اس کے اور قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ جو خود بھی تنے کی طرح سے موٹا اور اسی کی طرح لمبا ہے۔ جب سانپ نے مجھے دیکھا کہ تو جنگل میں غائب ہو گیا۔ اسے دیکھ کر مجھ پر وحشت طاری ہو گئی اور میں وہاں سے سیدھا بادشاہ کے پاس پہنچا جو اپنے مصاحبین کے ہمراہ بیٹھا تھا۔ میں نے اس کو حاضرین مجلس کو سارا ماجرا سنایا مگر ان میں سے کسی نے میری بات پر توجہ نہ دی۔ بادشاہ نے کہا "پریشان مت ہو' وہ (سانپ) تمہیں کچھ نہیں کہیں گے"[2]۔

ایک دن ہم بادشاہ کے ہمراہ اس کی خیمہ گاہ میں گئے۔ تکین سوسن اور بارس کے علاوہ بادشاہ کا ایک مصاحب بھی میرے ہمراہ تھا۔ ہم جنگل کے اندر گئے جہاں ہمیں ریشم کی طرح نرم و نازک سی ایک سبز ڈالی دکھائی دی۔ اس ڈالی کے پتے چوڑے چوڑے تھے اور ڈالی زمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس پر گوندنی جیسے چھوٹے چھوٹے دانے (پھل) لگے ہوئے تھے۔ اگر کوئی شخص ان دانوں کو کھائے تو وہ یہی سمجھے گا کہ وہ املیسی[3] انار کے دانے کھا رہا ہے۔ ہم نے اس کے چند دانے چکھے۔ ہم نے اس کو نہایت لذیذ پایا۔ پھر ہم اس کو تلاش کرتے اور جہاں بھی ملتا جی بھر کے کھاتے۔

میں نے دیکھا کہ اس ملک میں سیب نہایت شوخ سبز رنگ کا ہوتا ہے مگر اس کا ذائقہ شراب کے سرکے سے زیادہ ترش ہوتا ہے۔ نوجوان لڑکیاں ان کو خوب کھاتی ہیں اور کھا کھا کر موٹی ہو جاتی ہیں۔

---

1 اُتل کا شہر دریائے والگا کے کنارے آباد تھا۔ یہ خزر حکومت کا مرکز تھا اور خزر خاقان اسی شہر میں رہتا تھا۔

2 ابن فضلان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بلغار علاقے میں سانپ بہت ہوتے تھے اور لوگ ان کی مودگی سے مانوس تھے جبکہ اس زمانے میں بہت سی قوموں میں سانپ کی پوجا کی جاتی تھی۔ ہندو مذہب کی رو سے سانپ "ناگ دیوتا" ہے۔

3 املیسی انار میں دانہ نہیں ہوتا۔ بے دانہ انار۔

میں نے اس ملک میں بُنڈق [1] کے درختوں سے زیادہ کسی اور پھل کے درخت نہیں دیکھے۔ میں نے ان کے درختوں کے جنگل کے جنگل دیکھے جن میں ایک جنگل چالیس فرسخ لمبااور اتنا ہی چوڑا تھا۔

میں نے یہاں ایسے بھی درخت دیکھے جن کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ درخت بہت بلند تھے اور ان کی شاخوں پر پتا نہیں تھا۔ ان درختوں کا بالائی حصہ بالکل کھجور کے درخت کی طرح تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ کھجور کے برخلاف ان درختوں پر باریک باریک شاخیں ہوتی ہیں جو ایک جھنڈ کی شکل میں ہوتی ہیں [2]۔ مقامی لوگ ان درختوں کے تنوں میں سوراخ کر کے ایک برتن کو سوراخ کے منہ پر رکھ دیتے ہیں سوراخ میں سے ایک رقیق مادہ نکل کر برتن میں جمع ہو جاتا ہے۔ یہ مادہ شہد سے زیادہ شیریں اور لذیذ ہوتا ہے۔ اگر کوئی اس کو ضرورت سے زیادہ پی لے تو اسے ویسا ہی نشہ چڑھ جاتا ہے جیسا کہ شراب پینے سے چڑھتا ہے۔

یہاں کے لوگ بالعموم باجرے (جاورس) کی روٹی اور گھوڑے کا گوشت کھاتے ہیں حالانکہ جوار اور گندم یہاں باافراط پیدا ہوتی ہے۔

یہاں لوگ جو کچھ پیدا کرتے ہیں وہ خود لے جاتے ہیں۔ بادشاہ کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا [3]۔ البتہ ہر گھرانہ بادشاہ کو سال میں ایک بار ایک سمور نذر کرتا ہے۔ جب بادشاہ کسی دشمن پر حملہ کرنے کے لئے فوج تیار کرتا ہے تو لوٹ مار سے حاصل ہونے والے مال میں بادشاہ برابر کا حصہ دار ہوتا ہے۔

یہاں ہر آدمی پر لازم ہے کہ جب وہ شادی بیاہ کے موقعہ پر ضیافت کا اہتمام کرے یا کھانے پر مہمانوں کو مدعو کرے تو ضیافت کے معیار کے مطابق بادشاہ کی خدمت میں نذرانہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ پیالہ بھر شہد سے بنی ہوئی نبیذ اور تھوڑی سی نامرغوب گندم بھی پیش کرے۔ گندم کے نامرغوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس زمین پر گندم کاشت کی جاتی ہے اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور وہ جگہ فاسد (بساند والی) ہوتی ہے۔

---

[1] بُندق یا فندق یا ھیزل درخت۔ چھوٹے قد کا ہوتا ہے جس میں صنوبر وغیرہ کی قسم کے باغیچے یا پھول لگتے ہیں۔ اور بادامی سرخی مائل گری دار میوہ پیدا کرتا ہے۔ یہ درخت ایشیا یورپ اور امریکہ میں پایا جاتا ہے ہیزل کو یورپی اخروٹ بھی کہتے ہیں۔

[2] غالباً برج (Birche) یا (Coniferous) قسم کے درخت جو اس خطے میں پائے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ درخت سرد علاقوں میں ہوتے ہیں یا پانچ ہزار فٹ سے بلند پہاڑوں پر پائے جاتے ہیں اس لئے ابنِ فضلان کے لئے یہ نادیدہ تھے لیکن ان درختوں سے رس یا رقیق مادہ نہیں نکالا جاتا۔ اس علاقے میں ہیبل کے درخت بھی پائے جاتے ہیں جن سے رقیق مادہ نکالا جا سکتا ہے جو نہایت شیریں ہوتا ہے اور جس سے شکر بنائی جاتی ہے۔

[3] بلغارستان۔ زرخیز علاقہ تھا یہاں پر لوگ کاشتکاری کرتے تھے اور جو باجرہ اور گندم کی فصلیں اگاتے تھے۔ زرعی پیداوار میں بادشاہ کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا یعنی یہاں پر کاشتکاروں سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ البتہ ہر گھر سال میں ایک سمور بادشاہ کی نذر کیا کرتا تھا بطور ٹیکس بادشاہ کو دیتا تھا مگر جنگ کی صورت میں ملنے والا مالِ غنیمت میں بادشاہ کا برابر کا حصہ دار ہوتا تھا۔

ان کے یہاں خوراک ذخیرہ کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہے اور وہ اپنی بچی ہوئی خوراک ایک گڑھے میں دبا دیتے ہیں جو چند دنوں میں بُس ہو جاتی ہے اور اس میں سے بدبو آنے لگتی ہے۔

یہاں زیتون کا تیل ہوتا ہے نہ تل کا اور نہ کھانا پکانے کے لئے کسی اور قسم کا تیل ملتا ہے[1]۔ کھانا پکانے کے لئے یہ لوگ مچھلی کا تیل استعمال کرتے ہیں۔ جو چیز اس تیل میں پکتی ہے وہ بدبودار اور کثیف ہوتی ہے۔

یہ لوگ جَو کا شوربہ بناتے ہیں جو وہ اپنے غلاموں اور کنیزوں کو کھلاتے ہیں۔ کبھی وہ گوشت میں جَو ڈال کر پکاتے ہیں، گوشت وہ خود کھاتے ہیں اور جَو غلاموں اور کنیزوں کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ البتہ بھیڑ بکریوں کا سر کنیزوں کو کھلایا جاتا ہے۔

یہاں سب لوگ نمدے والی ٹوپی قلانس پہنتے ہیں[2]۔

بادشاہ تن تنہا گھڑ سواری کرتا ہے۔ اس کے ہمراہ نہ نوکر چاکر ہوتے ہیں نہ کوئی اور ہمسفر جب وہ بازار سے گزرتا ہے تو اس کو دیکھ کر ہر شخص اپنی جگہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور احتراماً اپنی ٹوپی کو سر سے اُتار کر بغل میں دبا لیتا ہے۔ جب بادشاہ کی سواری گزر جاتی ہے تو پھر ہر شخص اپنی ٹوپی اوڑھ لیتا ہے اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا ہے۔

اسی طرح سے ہر وہ (صفحہ 84-85 کتاب میں سے غائب ہے)

اگر کچھ لوگ کہیں جا رہے ہوں اور ان میں سے کسی کو پیشاب کی حاجت ہو جائے اور وہ اپنے ہتھیار سمیت پیشاب کرنے بیٹھ جائے تو اس کے ساتھی اس کو لوٹ لیتے ہیں، اس کے ہتھیار چھین لیتے ہیں اور کپڑے تک اتار لیتے ہیں غرضکہ وہ سب کچھ ہتھیا لیتے ہیں جو ان کے پاس ہوتا ہے۔ یہ ان کا معمول ہے۔ لیکن جو شخص پیشاب کرتے وقت اپنے ہتھیار اُتار کر رکھ دیتا ہے تو اس کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا جاتا۔

یہاں پر مرد و زن ننگے ہو کر دریا میں ایک ساتھ نہاتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے پردہ نہیں کرتے۔ لیکن وہ کسی حال میں بھی زنا کا ارتکاب نہیں کرتے۔ اگر کوئی شخص خواہ وہ کسی حیثیت کا مالک ہو زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کو سزا ملتی ہے۔ سزا دینے کے لئے وہ زمین میں چار میخیں گاڑتے ہیں اور زانی کے چاروں ہاتھ پاؤں کو ان میخوں کے ساتھ باندھتے ہیں اور پھر کلہاڑی کے وار کر کے سر سے لے کر ران تک حصوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ یہی حشر وہ زانی عورت کا کرتے ہیں اور زانی مرد و عورت کے ٹکڑے ایک درخت پر لٹکا دیتے ہیں۔

---

1 بلغارستان شمالی منطقہ میں واقع ہے۔ سرد علاقہ ہے۔ یہاں زیتون یا تل پیدا نہیں ہو سکتا۔ زیتون زیادہ تر بحیرہ روم کے علاقے میں اور تل بالعموم گرم اور معتدل آب و ہوا والے علاقوں میں پیدا ہوتا ہے لہٰذا بلغار لوگ زیادہ تر مچھلی کا تیل جو یہاں دریائی مچھلیوں سے باافراط حاصل ہوتا تھا استعمال کرتے ہیں۔

2 ابنِ فضلان نے "وکلھم یلبسون القلانس" لکھا ہے۔ قلانس ایک قسم کی ٹوپی تھی جسے بالعموم ترک اور بلغار قبائل پہنتے تھے۔ یہ نمدے سے بنائی جاتی تھی۔ سیاہ رنگ کی ہوتی تھی اور کافی اونچی ہوتی تھی۔ خلیفہ ابو جعفر منصور بھی ایسی ٹوپی پہنا کرتا تھا۔

میں نے جان توڑ کوشش کی کہ میں عورتوں کو برہنہ ہو کر نہاتے وقت مردوں سے پردہ کرنے پر آمادہ کر سکوں مگر میں اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔

جیسی زانی مرد اور زانی عورت کو دی جاتی ہے ویسی ہی سزا چور کو بھی دی جاتی ہے۔اس کے جسم کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں۔

یہاں کے جنگلوں میں شہد بہت ہوتا ہے جو شہد جنگلی مکھیوں کے چھتوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔یہ لوگ چھتوں کی تلاش میں جنگل میں پھرتے رہتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے چھتوں کی تلاش میں پھرنے والوں کو ان کے دشمن قتل کر دیتے ہیں۔

ان کے ہاں تجارت پیشہ لوگ زیادہ ہیں جو ترک علاقوں میں پائے جاتے ہیں اور وہاں سے بھیڑیں لے آتے ہیں یا ''ویسو'' نامی ملک میں جاتے ہیں اور وہاں سے سیبل اور کالی لومڑی کے سمور لے کر آتے ہیں[1]۔

ہمیں یہاں ایک ایسا خاندان بھی ملا جو ''برنجار''[2] کے نام سے موسوم تھا۔یہ خانوادہ مرد و زن ملا کر پانچ ہزار نفوس پر مشتمل تھا جو سارے کے سارے مسلمان تھے۔ان لوگوں نے اپنے لئے ایک مسجد بنا رکھی تھی جو ساری کی ساری لکڑی کی بنی ہوئی تھی اور جہاں یہ لوگ نماز پڑھتے تھے۔یہ لوگ قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے۔میں نے ان میں سے کچھ لوگوں کو کم از کم اتنا پڑھا دیا جتنا کہ نماز پڑھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

ایک شخص نے میرے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔اس کا نام ''طالوت'' تھا۔میں نے اس کا نام عبداللہ رکھا تو وہ بولا ''تم مجھے محمد کے نام سے پکارو''۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔اس کی بیوی، اس کے بچوں اور اس کی ماں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور سب کے سب محمد کہلائے۔میں نے اس کو سورۃ الحمد اور سورۃ اخلاص سکھائیں۔ان دونوں سورتوں کو یاد کر کے اسے اتنی خوشی حاصل ہوئی جتنی کہ شاید صقالبہ کا بادشاہ بن جانے سے بھی نہ ہوتی۔

ایک دفعہ ہم بادشاہ کے پاس گئے جو اس وقت ''آب خلجہ'' ایک خلیج (جھیل) کے کنارے خیمہ زن تھا۔یہ خلیج عبارت ہے تینوں جھیلوں سے جن میں سے دو جھیلیں بڑی ہیں اور ایک جھیل چھوٹی ہے لیکن تینوں کی تینوں بہت گہری ہیں[3]۔اور ان جھیلوں

---

1 سیبل اور کالی لومڑی کی سمور بہت قیمتی ہوتی تھی اور یہ جانور یورپ کے شمالی علاقوں میں پائے جاتے تھے اور اب بھی پائے جاتے ہیں۔عرب امراء ان جانوروں کے سمور بڑی رغبت سے استعمال کرتے تھے۔ویسو نامی علاقہ کازان کے شمال مغرب میں واقع ہے۔

2 برنجار۔یہ لوگ خزر علاقے ''بالنجار'' کے رہنے والے تھے جو۔ نقل مکانی کر کے بلغار کے علاقے میں آکر آباد ہو گئے تھے۔مسلمان ہونے کی باعث یہودیوں نے انہیں تنگ کیا ہو گا یا وہ بہتر مستقبل کی تلاش میں آئے ہوں گے۔

3 یہ جگہ شاہ صقالبہ کا گرمائی مستقر ہوتا تھا جو موجودہ کازان کے جنوب میں واقع تھا۔ان تینوں جھیلوں کو آج ''چسٹوئے''(Chistoye) کیوری شیو سکوئے (Kuryshevskoe) اور اتمانسکوئے (Atmanskoe) سے پہچانا جاتا ہے۔آج تو یہ دریائے والگا کا حصہ معلوم دیتی ہیں۔

اور ایک بڑے دریا جس کا نام اتل ہے کے درمیان اندازاً ایک فرسخ کا فاصلہ ہے۔اتل دریا یہاں سے گزر کر خزر علاقے میں داخل ہوتا ہے۔اس دریا پر وقفے وقفے سے بازار لگتا ہے جہاں قیمتی قیمتی اشیاء فروخت کے لئے لائی جاتی ہیں۔

تکین نے مجھے بتایا تھا کہ صقالبہ کے ملک میں ایک نہایت تنومند اور بڑے بھاری جثے کا آدمی رہتا تھا۔جب میں یہاں پہنچا تو ایک دن میں نے بادشاہ سے اس کے بارے میں استفسار کیا۔بادشاہ نے کہا''ہاں ایسا آدمی ہمارے ملک میں رہتا تھا مگر اب مر چکا ہے۔وہ اس ملک کا رہنے والا نہیں تھا۔نہ ہی ہم جیسا وہ انسان تھا۔اس کی داستان اس طرح سے ہے کہ ایک دفعہ سوداگروں کی ایک جماعت تجارت کے لئے دریائے اتل پر گئی جو ہمارے یہاں سے ایک دن کی مسافت پر ہے اور جہاں تاجر لوگ اکثر آتے جاتے رہتے ہیں۔دریا چڑھا ہوا تھا اور طغیانی کے باعث دریا کا پانی دونوں کناروں سے باہر آگیا تھا۔ایک دن ان میں سے چند سوداگر میرے پاس آئے اور بولے''اسے بادشاہ! دریا میں ایک ایسا آدمی بہتا ہوا آیا ہے جو اگر ہمارے قریب رہنے والی کسی قوم کا فرد ہے تو ہمارے لئے اس ملک میں رہنا ممکن نہیں رہے گا اور مجبوراً ہمیں اس ملک کو چھوڑ کر کسی اور جگہ جانا پڑے گا''۔چنانچہ میں گھوڑے پر سوار ہوا اور ان تاجروں کے ساتھ دریا کے کنارے پہنچا تو ناگاہ مجھے وہ آدمی دکھائی دیا۔وہ بارہ ہاتھ لمبا تھا'اس کا سر ایک بڑے دیگچے جتنا بڑا تھا'اس کی ناک ایک بالشت برابر تھی'اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور اس کے ہاتھ کی انگلیاں بالشت بالشت سے بھی لمبی تھیں۔اس کی وضع قطع اور ڈیل ڈول دیکھ کر میں ڈر گیا اور میں بھی اسی طرح دہشت زدہ ہو گیا جیسے دوسرے لوگ خوف زدہ ہو گئے تھے۔ہم نے اس آدمی سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ بات نہ کر سکا'صرف ہماری طرف دیکھتا رہا۔

میں اس آدمی کو اپنے ساتھ لے آیا اور''ویسو''[1] کے لوگوں کو جو یہاں سے تین ماہ کی مسافت کے فاصلہ پر ہیں اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے کی غرض سے خط لکھا۔''ویسو''والوں نے جواب میں لکھا کہ یہ آدمی یاجوج ماجوج[2] کی قوم میں سے

---

1 **ویسو**۔دیکھئے حوالہ 131

2 **یاجوج و ماجوج**۔ان دو بھائیوں کو حضرت نوح کے بیٹے یافث کی اولاد بتایا جاتا ہے۔یہ تصوراتی کردار ہیں۔بعض کتابوں میں ان کا قد ایک سو بیس گز لکھا ہے اور کان اتنے بڑے بڑے بیان کئے ہیں کہ وہ ایک کو اوڑھتے ہیں اور دوسرے کو بچھاتے ہیں۔بعض نے کہا یاجوج وماجوج قوم کے لوگوں کا چہرہ جانور کا سا مگر جسم انسان جیسا ہوتا ہے۔ان کے بدن پر بال بہت ہوتے ہیں۔قدیم زمانے میں یہ لوگ اپنی قیام گاہ سے نکل کر انسانی آبادی پر حملہ آور ہوتے تھے تو وہ بہت ظلم کرتے تھے'انسانی بچوں کو کھا جاتے تھے اور جوان اور بوڑھے مردوں اور عورتوں کو ہلاک کر دیتے تھے۔آخر کار سکندر ذوالقرنین نے خلق خدا کو ان کے ظلم و ستم سے محفوظ رکھنے کے لئے سیسے اور لوہے پگھلا کر دو پہاڑوں کے درمیان ایک دیوار تعمیر کر دی اور اس طرح سے ان کو ان کے اپنے علاقے میں قید کر دیا۔یاجوج وماجوج ہر روز اس دیوار کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جتنی دیوار کو وہ توڑتے ہیں صبح ہوتے ہی وہ پھر اپنی اصل حالت میں آجاتی ہے۔یاجوج وماجوج کی داستان عیسائیت سے مسلمانوں میں پہنچی۔توریت کتاب پیدائش نوح کے بیٹے یافث کے ایک بیٹے کا نام ماگوگ آیا ہے جب پوپ کے حکم 1279ء میں انجیل کا ترجمہ عربی میں کیا گیا تو ماگوگ اور میگاگ یاجوج اور ماجوج ہو گیا اور مسلمانوں میں یہی نام مشہور ہو گیا۔[1]

[1] فاضل محشی کا یہ تجزیہ باعث حیرت ہے قرآن میں سورہ کہف میں ذوالقرنین یاجوج ماجوج کی صریح نص موجود ہے دنیائے اسلام اس نام سے نزول قرآن کے وقت سے ہی آشنا تھی۔

ہے جو ہمارے یہاں سے تین ماہ کی مسافت پر رہتی ہے۔ یہ لوگ ننگے رہتے ہیں اور ہمارے اور ان کے درمیان سمندر حائل ہے۔ یہ لوگ ساحل سمندر پر آباد ہیں اور حیوانوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ مجامعت کرتے ہیں۔ خداوند ان کے لئے ہر روز سمندر سے ایک بڑی مچھلی اُچھال کر ساحل سمندر پر پھینک دیتا ہے۔ ہر شخص چُھری لے کر آتا ہے اور اپنی اور اپنے خاندان کی ضرورت کے مطابق مچھلی کا گوشت کاٹ کر لے جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص ضرورت سے زیادہ گوشت لے جاتا ہے تو وہ اور اس کا سارا خاندان مر جاتا ہے۔ جب سب لوگ اپنی اپنی مرضی کا گوشت لے لیتے ہیں تو مچھلی اُچھل کر واپس سمندر میں چلی جاتی ہے۔ ایسا ہر روز ہوتا ہے۔ ہمارے اور ان کے درمیان ایک طرف سمندر ہے اور باقی اطراف سے ان کو پہاڑوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ علاوہ ازیں ایک دیوار ان کے اور اس دروازے کے درمیان میں حائل ہے جس میں سے نکل کر یہ لوگ باہر جا سکتے ہیں اگر خداوند عزوجل چاہتا ہے کہ یہ لوگ یہاں سے نکل کر آباد دنیا میں جائیں تو وہ اس دیوار میں سوراخ کر دیتا ہے اور سمندر کو خشک کر دیتا ہے اور مچھلی آنا بند ہو جاتی ہے''۔

پھر میں نے بادشاہ سے اس آدمی کے بارے میں مزید پوچھا تو وہ بولا ''کچھ مدت تک وہ میرے پاس رہا۔ وہ جس بچے پر نظر ڈالتا وہ مر جاتا تھا' جس حاملہ عورت کی طرف دیکھتا تو اس کا حمل گر جاتا تھا۔ اگر کوئی آدمی اس کے ہتھے چڑھ جاتا تو وہ اس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے اس وقت تک مسلتا رہتا جب تک کہ اس کا کام تمام نہیں ہو جاتا۔ جب میں نے یہ سب کچھ دیکھا تو میں نے اسے ایک اونچے درخت پر لٹکا دیا جہاں وہ اس وقت تک لٹکا رہا جب تک وہ مر نہ گیا۔ اگر تم اس کی ہڈیاں اور سر (کھوپڑی) دیکھنا چاہتے ہو تو میں دکھا سکتا ہوں۔ میں نے کہا ''بخدا میں دیکھنا چاہوں گا''۔ چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور مجھے اپنے ساتھ لے کر ایک جنگل میں پہنچا جہاں اونچے اونچے درخت تھے۔ وہ میرے آگے آگے چلتا ہوا ایک بلند و بالا درخت کے نیچے پہنچ گیا جہاں اس دیو قامت آدمی کی کھوپڑی اور دوسری ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ میں نے اس کی کھوپڑی دیکھی جو شہد کے مکھیوں کے ایک بڑے چھتے جتنی بڑی تھی' اس کی پسلی کی ہڈیاں کھجور کے درخت کی خشک ٹہنی سے زیادہ بڑی تھیں۔ اسی طرح اس کی ٹانگوں کی ہڈیاں اور بازو کھجور کی خشک شاخ سے زیادہ بڑی تھیں''۔ میں اس مشاہدے بہت محفوظ ہوا۔ یہ ہڈیاں دیکھ کر ہم واپس آ گئے۔

پھر بادشاہ جو ''خلجہ'' نامی جھیل کے کنارے مقیم تھا وہاں سے ہٹ کر ''جاؤشیر'' نامی دریا کے کنارے منتقل ہو گیا اور وہاں پر دو ماہ تک قیام کیا۔ جب وہ ''جاؤشیر'' سے روانہ ہونے لگا تو اس نے سُوار (سُواز)[1] نامی قبیلہ کو طلب کیا اور ان کو اپنے ہمراہ چلنے کی ہدایت کی۔ ان لوگوں نے اس کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ مگر ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ ان کا ایک حصہ بادشاہ کے داماد کا حامی ہو گیا جس نے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر رکھا تھا۔ بادشاہ کے اس داماد کا نام ''ویرغ''[2] تھا۔ بادشاہ نے ان لوگوں کو پیغام بھیجا کہ اللہ جل

---

1 سُوار یا سُواز۔ والگا میں موجود ''جودش'' نامی قوم کے اجداد تھے ابتدا میں مسلمان ہونے کے مخالف تھے چنانچہ اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات کے باعث والگا کے بائیں کنارے کی سکونت ترک کر کے دریا کے دائیں کنارے پر منتقل ہو گئے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

2 ''ویرغ'' وہی بادشاہ ہے جس کے ساتھ شاہ صقالبہ نے اپنی چھوٹی بیٹی کو اس ڈر سے شادی کر دی تھی کہ کہیں خزر خاقان اس کو اُٹھا کر نہ لے جائے۔

شانہٗ نے مجھے اسلام کی دولت سے سرفراز کیا ہے اور مجھے امیر المومنین کی قوت وحمایت بھی حاصل ہے۔ میں امیر المومنین کا خادم ہوں اور امیر المومنین نے مجھے معاملات کو چلانے کا اختیار دے رکھا ہے۔ جو بھی میری مخالفت کرے گا اس کو میری تلوار کا سامنا کرنا ہوگا''۔

قبیلے کا دوسرا حصہ اپنے قبیلے کے بادشاہ کے ساتھ ہو گیا جس کا نام ''اسکل'' تھا اور شاہ اسکل کہلاتا تھا۔ وہ شاہ صقالبہ کا وفادار تھا مگر وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔

جب شاہ صقالبہ کا خط ان لوگوں کو ملا تو وہ ڈر گئے اور سب مل کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو ابھی تک ''دریائے جاؤشیر'' کے کنارے خیمہ زن تھا۔ اس دریا کی چوڑائی بہت کم ہے' یہ کوئی پانچ ہاتھ چوڑا ہے' ناف تک گہرا ہے جبکہ عام طور پر پانی ٹخنوں ٹخنوں تک ہوتا ہے۔ اس کے اطراف میں ''خدنگ''[1] اور دیگر اقسام کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں۔

اس دریا کے قریب ایک وسیع وعریض بیابان ہے جہاں لوگوں کے کہنے کے مطابق ایک ایسا جانور ہے جو اونچائی میں اونٹ سے ذرا کم اور بیل سے زیادہ بڑا ہوتا ہے' اس کا سر اُونٹ جیسا ہوتا ہے اور اس کی دم بیل کی طرح ہوتی ہے' جبکہ اس کا دھڑ خچر کے جسم کی طرح ہوتا ہے اور اس کے کھر بیل کی طرح ہوتے ہیں۔ اس کی پیشانی پر ایک موٹا سینگ ہوتا ہے جو جڑ کے پاس موجود ہوتا ہے اور اوپر کو جاتے ہوئے پتلا ہو جاتا ہے اور آخری سرے پر پہنچ کر نیزے کی انی کی طرح باریک ہو جاتا ہے[2]۔ ان میں سے بعض جانوروں کے سینگ تین سے پانچ ہاتھ لمبے ہوتے ہیں[3]۔ یہ جانور ہرے پتے کھاتے ہیں۔ جب یہ جانور کسی گھڑ سوار کو دیکھتے ہیں تو اس پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ اگر سوار کا گھوڑا تیز رفتار ہوتا ہے تو وہ کوشش کر کے اس کے حملے سے بچ جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ جانور گھڑ سوار کو آلیتا ہے تو پھر وہ اپنے سینگ کے ذریعہ اس کے گھوڑے سے اٹھالیتا ہے اور پھر اسے ہوا میں اچھال دیتا ہے اور وہ اس وقت تک اچھالتا رہتا ہے جب تک کہ وہ مر نہیں جاتا وہ گھوڑے کو کچھ نہیں کہتا۔ یہاں کے لوگ اس جانور کو مارنے کے لئے اسے بیابانوں اور جنگلوں میں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ تلاش کرنے والے بلند وبالا درختوں پر چڑھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ اچھے تیر انداز ہوتے ہیں اور ان کے پاس زہر میں بجھے ہوئے تیر ہوتے ہیں۔ جونہی انہیں یہ جانور دکھائی دیتے ہیں وہ اس پر تیروں کی بارش کر دیتے ہیں اور اس وقت تک تیر برساتے رہتے ہیں جب تک وہ مر نہیں جاتا۔

---

1 ایک درخت جس کی لکڑی انتہائی سخت ہوتی ہے۔ فارسی میں اس کو درخت خدنگ کہتے ہیں۔ یہ لکڑی تیر بنانے کے کام آتی تھی۔ تیر خدنگ۔

2 بیان کردہ حلیے کے مطابق تو یہ جانور یقیناً گینڈا ہونا چاہئے لیکن گینڈا بالعموم گرم اور مرطوب آب وہوا والے علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ شمال کے سرد علاقے میں اس کا پایا جانا حیرت کی بات ہے۔

3 گینڈے کا سینگ اتنا لمبا نہیں ہوتا۔ ابنِ فضلان نے مبالغہ سے کام لیا ہے۔

میں نے بادشاہ کے مکان میں تین بڑے بڑے قاب (طیفوریاتِ کبار) دیکھے جو دیکھنے میں عتیقِ یمنی کے بنے ہوئے لگتے تھے لیکن بادشاہ نے مجھے بتایا کہ یہ قاب اس جانور کے سینگ کے نچلے حصے سے بنائے گئے تھے۔ کچھ لوگوں نے مجھے بتایا کہ اس جانور کو ''کرکون'' یا ''کرکدن'' (گینڈا) کہتے ہیں۔

میں نے ان لوگوں میں کوئی سرخ رو (صحت مند) آدمی نہیں دیکھا۔ اکثر لوگ بیمار ہی نظر آئے۔ یہاں زیادہ تر لوگ درد قولنج سے مرتے ہیں حتیٰ کہ دودھ پیتے بچے بھی اس بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اس ملک میں اگر کوئی مسلمان انتقال کر جاتا ہے [1] یا خوارزم کی کسی خاتون کا خاوند وفات پا جاتا ہے تو اسے مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق غسل دیتے ہیں۔ پھر میت کو ایک گاڑی پر رکھتے ہیں جس کے آگے آگے ایک علم بردار چلتا ہے۔ وہ میت کو اس جگہ لے جاتے ہیں جہاں اسے دفن کرنا ہوتا ہے۔ تدفین کے مقام پر پہنچ کر میت کو گاڑی سے اتار کر زمین پر رکھ دیتے ہیں اور دائرے کے اندر قبر کھودتے ہیں جو اس کی آخری آرام گاہ ہوتی ہے۔ یہ ہوتا ہے مردوں کے ساتھ ان کا طرزِ عمل۔

عورتیں مردوں کی موت پر آہ وزاری نہیں کرتیں بلکہ یہ مرد لوگ ہوتے ہیں جو مرنے والے کی موت پر آنسو بہاتے ہیں۔ لوگ مرنے والے کے گھر اس وقت جاتے ہیں جب وہ قریب المرگ ہوتا ہے۔ مگر وہ خیمے کے اندر نہیں جاتے بلکہ وہ دروازے پر ہی کھڑے رہتے ہیں۔ یہاں کھڑے ہو کر وہ انتہائی بھونڈی بھونڈی ناہنجار اور وحشتناک آوازیں نکالتے ہیں اور آہ وزاری کرتے ہیں۔

یہ آزاد لوگ ہیں۔ جب رونا دھونا بند ہو جاتا ہے تو غلام ہاتھ میں چمڑے کے درّے لئے آتے ہیں اور اپنے ننگے جسموں پر درّہ زنی شروع کر دیتے ہیں اور اپنے آپ کو اس وقت تک پیٹتے رہتے ہیں جب تک ان کے جسم پر ایسی بدھیاں نہ پڑ جاتیں جیسی کوڑا مارنے سے پڑ جاتی ہیں [2]۔ بالآخر وہ مرنے والے دروازے پر ایک علم لہراتے ہیں' اس کے ہتھیاروں کو خیمے سے نکال کر اور انہیں قبر کے چاروں طرف رکھ دیتے ہیں۔

مرنے والے کے لئے دو برس تک شیون وزاری کی جاتی ہے۔ دو برس گزر جانے کے بعد اس کے خیمے پر لہرانے والا علم اتار دیتے ہیں' اپنے سر کے بال منڈواتے ہیں' مرنے والے کے قریبی عزیز رشتہ دار کھانے کی دعوت کا انتظام کرتے ہیں جو اس بات

---

1 اگر کوئی مسلمان مسافر بلغاروں کے درمیان انتقال کر جائے یا کسی خوارزمی خاتون کا شوہر مر جائے تو اس کو مسلمانوں کے طریقہ سے مطابق دفن کیا جاتا ہے۔ بلغاروں کے طریقہ سے دفن نہیں کیا جاتا۔ بلغار اپنے مردوں کو کپڑے پہنا کر گڑھے میں دبا دیتے تھے۔ جبکہ اسلامی طریقہ سے تدفین میں مردے کو پہلے غسل دیا جاتا ہے' پھر کفن پہنایا جاتا ہے اور اس کے بعد قبر میں اُتار کر دفن کیا جاتا ہے۔

2 یہ رسم اہل تشیع کی رسم عزاداری سے ملتی جلتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ اہل تشیع اپنے آپ کو خود پیٹتے ہیں جبکہ بلغاروں کے رواج کے مطابق ان کے غلام اپنے آپ کو پیٹتے تھے۔

کااعلان ہوتی ہے کہ عزاداری کازمانہ ختم ہوگیاہے [1]۔اگر مرنے والے کی بیوی ہوتی ہے تواب وہ دوبارہ شادی کرلیتی ہے۔ مگرایسااسی صورت میں ہوتاہے جبکہ مرنے والا کوئی سردار یاعمائدین میں سے ہو۔عام لوگوان میں سے چندرسوم ہی ادا کرتے ہیں۔

صقالبہ کا بادشاہ خزر قوم کے بادشاہ کا باج گزار ہے اور وہ اپنی اقلیم میں بسنے والے ہر خاندان کی طرف بادشاہ خزر کو فی خاندان ایک عدد سمور بطور خراج ادا کرتاہے [2]۔

جب ملک خزر سے کوئی جہاز صقالبہ میں داخل ہوتاہے توشاہ صقالبہ گھوڑے پر سوار ہو کر جاتاہے اور جہاز میں لدے ہوئے مال کا جائزہ لیتاہے اور جو کچھ اس میں ہوتاہے اس کا دسواں حصہ وصول۔جب روسی یا کسی اور قوم کے تاجر غلاموں سے لدے ہوئے جہاز لے کر صقالبہ آتے ہیں تو بادشاہ ہر دس میں سے ایک غلام اپنے لئے چن لیتاہے۔

خزر کے بادشاہ نے صقالبہ کے بادشاہ کے ایک بیٹے کو بطور یرغمال اپنے دربار میں رکھاہوا ہے۔ خزر کے بادشاہ کو پتہ چلا کہ شاہ صقالبہ کی ایک بیٹی بہت ہی خوبصورت ہے۔اس نے اپنا سفیر بھیج کر صقالبہ کے بادشاہ سے شہزادی کا رشتہ طلب کیا۔ صقالبہ کے بادشاہ نے اس کا بُراماناورر شتہ دینے سے انکار کر دیا۔اس پر شاہ خزر نے صقالبہ پر فوج کشی کر دی اور طاقت کے بل پر شہزادی کواپنے ساتھ لے گیاحالانکہ خزر یہودی بادشاہ تھااور صقالبہ کی شہزادی مسلمان تھی وہ اس کے دربار میں جاکر مر گئی۔اس کی موت کے بعد شاہ خزر نے پھر اپنا ایلچی مقالبہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا اور اس کی کسی اور بیٹی کا رشتہ طلب کیا۔شاہ صقالبہ نے راتوں رات اس کا رشتہ اسکل بادشاہ کے ساتھ کر دیاجو اس کا باج گزار تھا۔شاہ صقالبہ کو ڈر تھا کہ کہیں اس کی دوسری بیٹی بھی پہلی بیٹی کی زبردستی نہ اُٹھالی جائے اور وہ بھی اپنی بہن کی طرح ہلاک ہو جائے۔یہ شاہ خزر کا خوف تھا جس کے باعث شاہ صقالبہ نے خلیفہ المقتدر سے اپنے لئے ایک قلعہ تعمیر کرنے کی درخواست کی تھی۔

ایک دن میں نے بادشاہ سے پوچھا"آپ کا ملک بڑاوسیع ہےاور آپ کے پاس بے شمار دولت ہےاورآپ کے پاس آمدنی (محاصل) کے بھی بہت سے ذرائع ہیں تو پھر آپ نے امیر المومنین سے کیوں یہ درخواست کی کہ خلیفہ اپنے خرچ سے آپ کے لئے ایک قلعہ تعمیر کرے جس کی تعمیر پر کچھ زیادہ لاگت نہیں آئے گی" ۔اس پر بادشاہ نے جواب دیا کہ "میں جو کچھ دیکھ رہاہوں کہ اسلامی سلطنت بہت خوشحال ہےاوراس کی قانونی محاصل سے ہونے والی آمدنی میری آمدنی کے مقابلے میں جائزاور حلال ہے۔میں نے خلیفہ سے یہی سوچ کر رقم مانگی تھی کہ قلعہ جائزاور حلال کی آمدنی سے تعمیر کیاجائے۔اس نے کہا کہ اگر میں اپنے پیسے سے چاندی یاسونے کا

---

[1] بلغاروں کی یہ رسم بھی پاکستان کے چہلم کی تقریب سے ملتی جلتی ہے۔پاکستان میں بھی لوگ مرنے والے کا چہلم دھوم دھام سے مناتے ہیں اور پر تکلف دعوت کا اہتمام کرتے ہیں۔

[2] بادشاہ کو خراج میں فی خاندان ایک عدد سمور دیاجاتا تھا۔ سمور اس علاقہ کی بڑی دولت تھی۔یہاں سے سب سے بڑی تعداد میں اسی چیز کی برآمد ہوتی تھی۔چین کے ریشم کی طرح ان علاقوں کے سمور بھی دنیا بھر میں مشہور تھے۔اسی چیز کی تجارت پر قبضہ کرنے کے لئے علاقے کی مختلف قوموں کے درمیان جنگ ہوتی رہتی تھی۔

قلعہ بنانا چاہوں تو یہ میرے لئے ناممکن بات نہ ہو گی۔ میں نے تو امیر المومنین سے صرف بطور تبرک رقم لینا چاہی تھی اور اسی وجہ سے میں اس کی درخواست کی تھی''۔

روسی

میں نے روسیوں (الروسیہ)[1] کو دیکھا جو تجارت کے لئے آئے تھے اور دریائے اتل (والگا) کے کنارے اترے۔ میں نے جسمانی طور پر ایسے متناسب الاعضاء لوگ پہلے کہیں نہیں دیکھے تھے۔ کھجور کے درخت کی طرح قدآور، بھورے بال، سرخ و سفید رنگت والے یہ لوگ نہ قرطق پہنتے ہیں اور نہ جلیقہ (کفتان/خفتان)[2]۔ ان کے مرد ایک ایسا لباس پہنتے ہیں جس سے وہ اپنے کندھے کو ڈھانپ لیتے ہیں اور اپنا دوسرا ہاتھ آزاد رکھتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کے پاس ایک عدد کلہاڑی، ایک عدد تلوار اور ایک عدد چاقو ہوتا ہے۔ اور وہ کبھی بھی ان ہتھیاروں کے بے بغیر نظر نہیں آتے۔

---

1 ابنِ فضلان نے جن روسیوں کا ذکر کیا ہے وہ زمانہ حاضر کے روسی نہیں بلکہ اصلاً وہ وائیکنگ یا نارمن تھے جو تجارت کرنے کے لئے اسکینڈی نیوین ملکوں سے دریا کے راستے سفر کر کے آتے تھے۔ نارمن کی ایک شاخ ''روس'' نام کی تھی۔ ابنِ فضلان نے اس شاخ کے لوگوں کو دیکھا تھا۔ اس زمانے میں مشرق و مغرب کے درمیان ہونے والی تجارت بلغار علاقے سے گزرتی تھی۔ وائیکنگ یا نارمن تاجر شمالی یورپ کے سرد ملکوں کا مال لا کر بلغاروں کے ذریعہ عربوں کو بیچتے تھے اور عربوں کا مال نارمن تاجروں کے ذریعہ شمال اور مغربی یورپ کے ملکوں میں بیچتے تھے۔ آگے چل کر اسی قبیلے ''روس'' کے نام پر روس نام کا ملک معرض وجود میں آیا۔ نارمن لوگوں کا وطن اسکینڈی نیویا یعنی موجودہ ڈنمارک، سویڈن اور ناروے تھا۔ یہ لوگ بلا کے مہم جو تھے۔ جہاز رانی میں ان کو کمال حاصل تھا۔ کولمبس سے کئی سو سال پہلے ان علاقوں تک پہنچے تھے جو اب امریکہ کہلاتا ہے۔ آٹھویں اور دسویں صدی عیسوی کے درمیانی عرصے میں یہ لوگ بحری قزاقی کے لئے بدنام تھے۔ اس زمانے میں مغربی یورپ کا انگلستان سے لے کر اسپین تک کوئی ملک ان کی تخت وتاز سے نہیں بچا۔ مغربی یورپ کے عیسائی ان کو خدا کا عذاب کہتے تھے کہ انہوں نے کلیساؤں کو بھی خوب خوب لوٹا اور پادریوں کو قتل کیا۔ اندلس کے مسلمان بھی ان کے جور و ستم سے نہ بچ سکے۔ ماہ ذی الحجہ 229ھ (843ء) میں انہوں نے اشبونہ پر جو آج کل لزبن کہلاتا ہے اور پرتگال کا دارالحکومت ہے حملہ کیا اور تیرہ دن تک خوب لوٹ مار کرتے رہے اور لوگوں کو قتل کرتے رہے۔ 8 محرم 230ھ (844ء) کو اشبیلیہ (Savilba) پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے شکست کھائی اور نارمنوں نے شہر کے اندر گھس کر قتلِ عام کیا۔ بچوں بوڑھوں عورتوں اور جوانوں کو بلا امتیاز تہ تیغ کیا۔ بے شمار جانوروں کو ہلاک کیا اور اشبیلیہ کی مسجد کو آگ لگا دی۔ تین دن تک قتل و غارت گری کا بازار گرم رہا۔ لوٹ مار کر کے کشتیوں میں سوار ہونے کے لئے دریا کی طرف لوٹ گئے جہاں پر شاہی فوجی دستہ سے جھڑپ ہو گئی۔ اس میں ستّر قزاق مارے گئے۔ اس کے بعد نارمنوں نے ایک زبردست حملہ کیا جس میں بعض حوالوں کے مطابق 16 ہزار نارمن شامل تھے۔ اس جنگ میں عیسائیوں اور مسلمانوں نے مل کر نارمنوں کو شکست دی۔ کہا جاتا ہے کہ بیشتر نارمن قزاق مارے گئے جو بچ گئے وہ کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگ گئے۔ اس شکست کے باوجود ان کی قزاقی اور سفاکی کا عمل جاری رہا۔ وہ کبھی اس شہر پر کبھی اُس شہر پر حملہ کرتے لوگوں کو قتل کرتے اور ان کا مال و اسباب لوٹ کر لے جاتے تاآنکہ ربیع الاول کے مہینے میں سرکاری فوج نے انہیں مار بھگایا۔ اور اندلس کے رہنے والوں کو امن نصیب ہوا۔ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ مغرب میں غارت گری کرنے والے نارمن مشرق میں تجارت کرنے والے نارمنوں سے مختلف تھے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ ''روس'' نام کے نارمن جنگجو کم اور تاجر زیادہ تھے اور انہیں تاجر روسیوں سے ابنِ فضلان کا واسطہ پڑا تھا۔

2 ابنِ فضلان نے جن روسیوں کو دیکھا تھا وہ شاید کرتا یا قمیص نہ پہنتے ہوں یا بلغاروں کی طرح لمبے کرتے نہ پہنتے ہوں لیکن وہ کرتے جیسا لباس ضرور پہنتے تھے اور لبادہ بھی اوڑھتے تھے۔

ان کی تلوار عام تلوار کے مقابلے میں زیادہ چوڑی ہے اور اس پر فرنجیوں (فرنگیوں) کی تلواروں کی طرح لہردار دھاریاں ہوتی ہیں۔ہاتھ کے ناخن سے لے کر گردن تک ان کے جسم پر طرح طرح کے جانوروں اور درختوں کی تصویریں نقش ہوتی ہیں۔ان کی ہر عورت اپنے سینے پر ایک گول ڈبیا باندھے رکھتی ہے[1] جو اس کے شوہر کی امارت 'دولت اور مرتبے کے مطابق لوہے 'تانبے 'چاندی یا سونے کی بنی ہوتی ہے۔ہر ڈبیا میں ایک حلقہ پڑا ہوتا ہے جس میں ایک عدد خنجر آویزاں ہوتا ہے جو اس کے سینے کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ان کے گلے میں چاندی یا سونے کی ہنسلیاں ہوتی ہیں۔جب کسی عورت کے شوہر کے پاس دس ہزار درہم جمع ہو جاتے ہیں تو وہ اس کے لئے ایک ہنسلی بنوا کر دیتا ہے۔جب اس کے پاس بیس ہزار درہم ہو جاتے ہیں تو ایک ہنسلی اور بنواتا ہے۔اور اگر تیس ہزار درہم ہو جائیں تو ایک اور ہنسلی بنوا کر دیتا ہے یعنی ہر دس ہزار درہم کے بعد ایک ہنسلی بنواتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بعض عورتیں اپنے گلے میں دو دو تین تین اور کبھی چار چار ہنسلیاں پہنے ہوتی ہیں۔ان کے زیورات میں سب سے زیادہ شاندار وہ ہوتے ہیں جو سفال (مٹی) سے بنائے جاتے ہیں اور جن کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔مٹی کے منکوں کو آگ میں پکایا جاتا ہے ھ 'رنگ برنگ کے منکوں کو ایک ڈوری میں پرو کر مالا یا ہار بنا کر پہنا جاتا ہے ایک منکہ ایک درہم میں آجاتا ہے۔

یہ روسی اللہ کی غلیظ ترین مخلوق ہے۔یہ لوگ نہ تو پیشاب کر کے دھوتے ہیں اور نہ پاخانہ کر کے دھوتے ہیں اور نہ غسل جنابت کرتے ہیں۔کھانا کھانے کے بعد ہاتھ نہیں دھوتے۔واقعی یہ لوگ جنگلی گدھوں کی طرح ہیں۔یہ لوگ اپنے ملک سے اتل (والگا) دریا میں جو ایک بڑا دریا ہے کشتیوں کے ذریعہ سفر کر کے آتے ہیں۔دریا کے کنارے لنگر انداز ہوتے ہیں اور دریا کے کنارے کنارے لکڑی کے مکان بناتے ہیں۔ہر مکان میں دس یا بیس یا اس سے زیادہ افراد رہتے ہیں۔مکان کے اندر ہر فرد کے لئے ایک پلنگ ہوتا ہے جس پر وہ بیٹھتا ہے اور اس کے پاس بہت سی خوبصورت لڑکیاں ہوتی ہیں جن کو وہ لونڈی کے طور پر فروخت کرنے کے لئے اپنے ہمراہ لاتا ہے۔وہ اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں ان میں سے کسی بھی لڑکی کے ساتھ مباشرت کر لیتا ہے۔بعض اوقات یہ لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں ٹولیاں بنا کر سر عام مباشرت کرتے ہیں۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص لونڈی خریدنے کی غرض سے ان کے یہاں آتا ہے اور دیکھتا ہے کہ جس لڑکی کو وہ خریدنا چاہتا تھا اس لڑکی کا آقا اس کے ساتھ مباشرت میں مصروف ہے تو وہ انتظار کرتا ہے جب لڑکی کا آقا اپنی ہوس پوری کر لیتا ہے۔

یہ لوگ بلاناغہ ہر روز ممکنہ حد تک نجس غلیظ اور کثیف ترین پانی سے اپنا منہ اور سر دھوتے ہیں۔ہر روز صبح کے وقت ایک کنیز پانی سے بھرا ہوا بڑا سا لگن لے کر آتی ہے اور اس لگن کو سب سے پہلے اپنے آقا کے سامنے رکھتی ہے۔اس کا آقا پہلے ہاتھ دھوتا ہے 'پھر منہ دھوتا ہے 'پھر اسی پانی سے اپنا سر دھوتا ہے 'پھر کنگھی کرتا ہے 'پھر ناک سنکتا ہے اور رینٹ کو اسی لگن میں ڈال دیتا ہلے 'پھر وہ اسی

---

1 یہ ڈبیا شاید بروچ ہوگا جو اس زمانے میں نارمن عورتیں اپنے سینے پر سجایا کرتی تھیں۔

پانی سے کلی کرتا ہے اور کلی کا پانی اسی لگن میں ڈال دیتا ہے' غرض کہ کوئی ایسا غلیظ کام نہیں جو اس پانی سے نہ کرتا ہو۔ جب وہ سب کچھ کر کے فارغ ہو جاتا ہے تو کنیز لگن اٹھا کر لے جاتی ہے اور اسے اس آدمی کے سامنے رکھ دیتی ہے جو مرتبے میں اس کے آقا سے نچلے درجہ پر ہوتا ہے۔ یہ دوسرا شخص بھی وہی کچھ کرتا ہے جو پہلے شخص نے کیا۔ جب یہ دوسرا شخص بھی فارغ ہو جاتا تو کنیز اس لگن کو اُٹھا کر تیسرے آدمی کے سامنے رکھ دیتی اور تیسرا بھی وہی کچھ کرتا جو اس سے پہلے والوں نے کیا تھا۔ پھر وہ لگن کو اٹھا کر کسی اور کے پاس لے جاتی اور وہ بھی اس پانی سے منہ دھوتا' سر دھوتا' ناک صاف کرتا ہے اور کلی کرتا ہے اور اپنی ناک اور منہ کی تمام غلاظتیں اسی لگن میں ڈال دیتا ہے۔ جب سب لوگ فارغ ہو جاتے ہیں تو کنیز لگن لے کر چلی جاتی ہے۔

جوں ہی جہاز لنگر انداز ہوتا ہے جہاز پر سوار ہر شخص اپنی روٹیاں' گوشت' پیاز' دودھ اور شراب لے کر جلدی جلدی جہاز پر سے اترتا ہے اور سیدھا لکڑی کے بنے ہوئے اس کھمبے کی طرف جاتا ہے جس پر آدمی کی شبیہہ بنی ہوتی ہے۔ اس بڑے کھمبے کے دونوں جانب اسی طرح کے انسانی شکلوں کے چھوٹے چھوٹے کھمبے گڑے ہوتے ہیں۔ بڑے کھمبے کے سامنے پہنچتے ہی ہر شخص سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور کہتا ہے، ''اے میرے رب میں بہت دور سے آیا ہوں۔ میرے پاس اتنی لونڈیاں ہیں' اتنے اتنے پوستینیں اور سمور ہیں''۔ وہ ایک ایک کر کے ان تمام اشیاء کا ذکر کرتا جو وہ مال تجارت کے طور پر اپنا ساتھ لاتا ہے۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے ''یہ میں تیری نذر کے لئے لایا ہوں'' یہ کہہ کر وہ اپنا سارا مالک واسباب کھمبے کے سامنے رکھ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے ''میری تمنا ہے کہ تو میرے لئے کوئی ایسا خریدار بھیج دے جس کے پاس درہم و دینار کی فراوانی ہو جو میرا سارا مال تجارت خرید لے'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ جاتا ہے۔

اگر کسی کو اپنا مال بیچنے میں مشکل پیش آتی ہے اور اس کے قیام کی مدت طویل ہو جاتی ہے تو وہ اس کھمبے کو نذر پیش کرنے کے لئے دوبارہ کبھی کبھی سہ بارہ اس کے پاس جاتا ہے اور اگر اس پر بھی کام نہ بنے تو پھر وہ چھوٹے کھمبوں کے پاس جاتا ہے اور ان سے مدد طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ''یہ ہمارے رب کی بیویاں' بیٹیاں اور بیٹے ہیں''۔ وہ ایک ایک کے سامنے جاتا ہے اور ان سے مدد مانگتا ہے اور گریہ وزاری کرتا ہے۔ اور بالآخر جب اس کا مال فروخت ہو جاتا ہے تو کہتا ہے ''میرے رب نے میری حاجت پوری کر دی تو اب مجھے بھی نذرانہ پیش کرنا چاہئے۔ چنانچہ وہ چڑھاوے کے طور پر چند بھیڑیں یا چند گائے یا بیل ہلاک کرتا ہے' ایک حصہ گوشت بانٹ دیتا ہے اور باقی ماندہ گوشت ان چھوٹے بڑے چوبی مجسموں کے آگے لا کر ڈال دیتا ہے۔ اور بھیڑ یا گائے یا بیل کا سر لکڑی کے ان ستونوں پر لٹکا دیتا ہے جو انسانی مجسموں کے قریب اس مقصد کے لئے زمین میں گڑے ہوتے ہیں۔ رات میں کتے سارا گوشت کھا جاتے ہیں تو نذر کرنے والا کہتا ہے کہ ''میرا رب مجھ سے خوش ہے (کیونکہ) اس نے میرا نذر کردہ گوشت کھا لیا ہے''۔

اگر کوئی شخص بیمار ہو جاتا ہے تو اس کے لئے بستی سے باہر میدان میں ایک خیمہ نصب کر دیا جاتا ہے اور بیمار کو اس خیمے میں ڈال آتے ہیں۔ اور کھانے کے لئے کچھ روٹیاں اور پینے کے لئے پانی اس کے پاس رکھ دیتے ہیں۔ پھر وہ اس کے قریب نہیں جاتے نہ ہی

اس سے بات کرتے ہیں۔ بیماری کے دوران کوئی شخص اس کے پاس نہیں جاگتا' خاص کر اگر وہ غریب یا غلام ہے۔ اگر کوئی غریب مر جاتا ہے تو وہ اس کے مردے کو آگ میں جلا دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی غلام مر جائے تو اس مردے کو یوں ہی پڑا رہنے دیا جاتا ہے اور کتے اور گوشت خور پرندے اس کو ہڑپ کر جاتے ہیں

اگر کوئی چور یا لٹیرا پکڑا جائے تو اس کی گردن میں پھندا ڈال کر کسی درخت کی شاخ سے لٹکا دیا جاتا ہے جہاں وہ اس وقت تک ٹنگا رہتا ہے جب تک کہ باد و باراں کے باعث اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ختم نہ ہو جاتا۔

مجھے بتایا گیا کہ یہ لوگ اپنے سردار کی موت پر عجیب و غریب رسومات ادا کرتے ہیں جن میں سے ایک رسم مردے کو سپردِ آتش کرنا ہوتی ہے۔ مجھے ایسے معاملات کو جاننے کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ جب مجھے خبر ملی کہ ان کی کوئی اہم شخصیت فوت ہو گئی ہے تو مجھے اس کی رسومات دیکھنے کا موقعہ ملا۔

میں نے دیکھا کہ انہوں نے ایک گڑھا کھود کر مردے کو دس دن کے لئے اس میں رکھ دیا۔ اور گڑھے کو اوپر سے ڈھانپ دیا۔ پھر اس کے لئے نیا لباس تراشا اور سیا گیا۔ مرنے والا اگر کوئی غریب معمولی آدمی ہو تو اس کو ایک چھوٹی سی کشتی میں ڈال کر سپرد آتش کر دیا جاتا ہے۔ لیکن مرنے والا اگر مالدار آدمی ہوتا ہے تو اس کا سارا مال ایک جگہ پر جمع کیا جاتا ہے اور پھر اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک حصہ مرنے والے کے اہل خانہ کو دیا جاتا ہے' ایک حصہ مردے کا لباس سینے اور دوسری رسومات کے لئے اور تیسرا حصہ نبیذ (شراب) کی خریداری کے لئے رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ شراب مردے کی آخری رسومات ادا کرنے کے پی جاتی ہے۔ اس روز مرنے والے کی ایک کنیز کو جو اس کے ساتھ مرنے کے لئے رضامند ہوتی ہے قتل کر کے مردے کے ساتھ نذر آتش کیا جاتا ہے۔

یہ لوگ شراب کے بڑے رسیا ہیں۔ اور دن رات شراب نوشی میں مصروف رہتے ہیں۔ بعض تو شراب کا پیالہ ہاتھ میں لئے لئے مر جاتے ہیں۔

جب ان کے سردار کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے اہل خانہ اپنے جواں سال غلاموں اور کنیزوں سے پوچھتے ہیں کہ ''تم میں سے کون اپنے آقا کے ساتھ مرنا چاہتا ہے''۔ ان میں سے کوئی جواب دیتا ہے ''میں مروں گی یا مروں گا'' جوں ہی کوئی یہ بات کہتا یا کہتی ہے وہ مرنے کا پابند ہو جاتا ہے۔ اس کو اپنے الفاظ واپسی لینے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ ایسا کرنا چاہے بھی تو اس کو ایسا کرنے نہیں دیا جاتا۔ مرنے کی حامی بھرنے والی بالعموم کوئی کنیز ہی ہوتی ہے۔

جس آدمی کی موت کا میں ذکر کر رہا ہوں جب اس کے اہل خانہ نے مرنے والے کی کنیزوں سے پوچھا کہ ''اس کے ساتھ کون مرے گا'' تو ان میں سے ایک بولی ''میں'' کہتے ہی اس کنیز کو دو لڑکیوں کی تحویل میں دے دیا گیا تاکہ وہ اس کی نگرانی کریں

'ہر وقت وہ اس کے ساتھ رہیں اور جہاں کہیں وہ جائے اس کے ساتھ ساتھ جائیں۔ حتیٰ کہ یہ لڑکیاں اپنے ہاتھوں سے اس کے پاؤں تک دھوتی ہیں۔

اس کے بعد مرنے والے کے لئے لباس کی تیاری شروع کی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ مردہ سوزی سے متعلق دوسرے معاملات پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔ ادھر مرنے کی حامی بھرنے والی کنیز دبا کے شراب پیتی رہتی ہے' گاناگاتی رہتی ہے اور خوش و خرم رہتی ہے۔

جس دن مردے کو سپرد آتش کیا جانا تھا اور اس کے ساتھ اس کی کنیز کو بھی نذر آتش کرنا تھا تو اس دن میں وہاں پر گیا جہاں وہ کشتی کھڑی ہوتی تھی جس میں رکھ کر مردے کو جلایا جانا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کشتی کو دریا سے نکال کر ساحل پر لایا گیا۔ اس کو سہارا دینے کے لئے لکڑی کے ستون اس کے چاروں طرف نصب کئے اور اس کو ان ستونوں کے سہارے کھڑا کر لیا گیا۔ پھر کشتی کے چاروں طرف سوختی لکڑی کی باڑ لگائی گئی کچھ لوگوں نے کشتی کے عرشہ پر چلنا پھرنا شروع کر دیا اور آپس میں گفتگو کرنے لگے جن کو میں بالکل نہ سمجھ سکا۔ میت ابھی تک گڑھے میں پڑی تھی۔ ابھی تک باہر نہیں لائی گئی تھی۔ پھر وہ ایک تخت لے کر آئے۔ اس تخت کو کشتی میں رکھا۔ تخت کے اوپر ایک گدیلا رکھا اور گاؤ تکیے رکھے جن پر رومی ریشمی غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ پھر ایک بوڑھی عورت آئی جس کو یہ لوگ ملک الموت کہتے ہیں۔ اس نے گدیلے کو تخت پر بچھایا اور گاؤ تکیوں کو ایک قرینے سے گدیلے کے اوپر رکھا۔ یہی عورت ہے جو کنیز کو ہلاک کرے گی۔ مجھے وہ ایک بوڑھی کھوسٹ بدوضع سیاہ فام چڑیل دکھائی دی۔

پھر لوگ اس گڑھے کے پاس پہنچے جس میں مردہ پڑا ہوا تھا، انہوں نے جگہ کو صاف کیا' گڑھے کے اوپر (دس دنوں میں) جو گھانس پھونس اور مٹی جمع ہو گئی تھی اس کو جھاڑ کر صاف کیا' گڑھے کو ڈھانپنے کی غرض سے جو لکڑیاں اس کے اوپر رکھی ہوئی تھیں ان کو ہٹا کر ایک طرف کیا۔ پھر مردے کو گڑھے سے باہر نکالا جو ابھی تک وہی کپڑے پہنے ہوئے تھا جن میں اسے موت آئی تھی۔

میں نے یہاں دیکھا کہ یہاں کے شدید سرد موسم کے باعث مردے کی رنگت سیاہ ہو گئی ہے۔ انہوں نے گڑھے کے اندر اس کے پہلو میں جو شراب' میوہ اور ساز (طنبورہ) رکھے تھے ان سب کو بھی باہر نکالا۔ واقعی لاش نہ گلی سڑی تھی اور نہ سوائے رنگت کے اس میں کوئی اور تبدیلی آئی تھی۔

انہوں نے مردے کو سراویل[1] پہنائی' جرابیں پہنائیں جوتے پہنائے' قرطق (کرتا) پہنایا اور اسی کے اوپر ریشمی خفتان جس میں سونے کے بٹن لگے ہوئے تھے پہنایا' سر پہ دیباج سموریہ[2] کی ٹوپی (قلنسوہ/قلنسہ) رکھی۔ لباس پہننے کے بعد وہ میت کو جہاز

---

1 سراویل۔ جمع سروال۔ اسی سے شلوار نکلا۔ ترکی اور عربی زبان میں شلوار ہی کہتے ہیں۔

2 دیباج سموریہ ۔ سیبل کی کھال کی بنی ہوئی ٹوپی جس پر سونے کے تار سے کشیدہ کاری کی جاتی تھی۔

پر لے گئے اور وہاں اسے اس خیمے کے اندر رکھ دیا جو خاص طور پر اس کے لئے بنایا گیا تھا۔ یہاں اسے تخت پر بچھے ہوئے گدیلے پر بٹھایا اور سہارا دینے کے لئے دونوں جانب گاؤ تکیے رکھ دیئے۔ پھر وہ شراب، میوہ اور خوشبویات لائی گئیں جو گڑھے میں سے نکال کر لائے تھے۔ پھر نان (روٹی)، گوشت اور پیاز اس کے سامنے ڈھیر کی گئیں۔ پھر وہ ایک کتا لے کر آئے اور کاٹ کر اس کے دو ٹکڑے کئے اور انہیں جہاز پر پھینک دیا۔ پھر وہ تمام ہتھیار لے کر آئے اور انہیں اس کے پہلو میں رکھ دیا۔ پھر وہ دو گھوڑے لائے۔ ان گھوڑوں کو خوب دوڑایا یہاں تک کہ وہ پسینے سے شرابور ہو گئے۔ پھر ان دونوں کو تلواروں کے وار کر کے ہلاک کیا اور ان کا گوشت بھی اسی طرح جہاز پر پھینک دیا جس طرح کتے کا گوشت پھینکا تھا۔ اس کے بعد دو گائیں لائی گئیں اور ان کو بھی اسی طرح ہلاک کیا گیا جس طرح گھوڑوں کو ہلاک کیا تھا اور ان کا گوشت بھی جہاز پر پھینک دیا۔ پھر انہوں نے ایک مرغ اور مرغی ہلاک کی اور ان کا گوشت بھی جہاز پر پھینک دیا۔

اس دوران وہ کنیز جس نے اپنے آقا کے ساتھ مر جانا قبول کیا تھا شراب پیتی رہی، گاتا گاتی رہی، گھومتی پھرتی رہی، وہ کبھی اس خیمے میں جاتی، کبھی اُس خیمے میں۔ وہ جس خیمے میں جاتی، خیمے والا آدمی اس کے ساتھ جماع کرتا اور اس سے کہتا کہ ''اپنے آقا سے کہنا میں نے یہ فعل اس کی محبت میں کیا ہے''۔

جب جمعہ کے دن عصر کا وقت ہوا تو وہ کنیز کو اس طرف لے گئے جہاں لکڑی چوکھٹار کھا ہوا تھا جیسے دروازے کی چوکھٹ (ملبن الباب) ہوتی ہے۔ چوکھٹ کے پاس پہنچ کر کئی لوگوں نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور کنیز اپنے دونوں پاؤں ان کے ہاتھوں پر رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ ان سب نے مل کر کنیز کو چوکھٹے سے اوپر اُٹھا لیا۔ اس پر کنیز نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ لوگ اسے نیچے لے آئے۔ انہوں نے ایک بار، پھر اسے اُوپر اٹھایا اور اس نے پھر کچھ کہا۔ لوگ اسے پھر نیچے لے آئے۔ انہوں نے پھر تیسری بار اس کو اوپر اٹھایا اور کنیز نے پھر اپنی زبان میں کچھ کہا۔ اس کے بعد کنیز کے ہاتھ میں ایک مرغی تھما دی گئی۔ کنیز نے مرغی کا سر کاٹ کر پھینک دیا اور لوگوں نے مرغی اس کے ہاتھ سے لے کر جہاز پر پھینک دی۔

میں نے اپنے ترجمان سے دریافت کیا کہ یہ سب کیا تھا اور لڑکی نے کیا کہا۔ اس نے بتایا کہ جب لڑکی کو پہلی بار چوکھٹے کے اوپر اُٹھایا تو اس نے کہا تھا ''آہا! یہاں میں اپنے ماں باپ کو دیکھ رہی ہوں، جب دوسری بار اسے اوپر اُٹھایا گیا تو اس نے کہا تھا، آہا! یہاں میں اپنے مرے ہوئے تمام رشتے داروں کو دیکھ رہی ہوں، اور تیسری بار اس نے کہا تھا ''آہا! میں اپنے آقا کو دیکھ رہی ہوں۔ وہ جنت میں بیٹھا ہے۔ جنت خوبصورت اور سرسبز ہے۔ میرے آقا کے اس کے احباب اور اس کے غلام بھی بیٹھے ہیں۔ وہ مجھے اپنے پاس بلا رہا ہے۔ مجھے اس کے پاس بھیج دو''۔

پھر وہ لوگ کنیز کو جہاز کی طرف لے گئے۔ جہاز کے پاس پہنچ کر اس نے اپنی دو چوڑیاں اتار کر اس عورت کو دیدیں جس کو ملک الموت کہا جاتا ہے جو تھوڑی دیر کے بعد اس کنیز کو قتل کرنے والی تھی۔ پھر اس نے اپنے دو عدد بازو بندان دو لڑکیوں کو دیئے جو گزشتہ دس دن سے اس کی خدمت کر رہی تھیں اور جو ملک الموت کی بیٹیاں تھیں۔

پھر کنیز کو جہاز پر چڑھا دیا گیا۔ مگر اس کو اس خیمے کے اندر نہیں جانے دیا جس میں اس کے آقا کی لاش رکھی تھی۔ اب کچھ لوگ اپنے ایک ہاتھ میں چھوٹا سا ڈنڈا اور دوسرے ہاتھ میں ڈھلا لئے نمودار ہوئے، انہوں نے کنیز کو پینے کے لئے شراب کا پیالہ پیش کیا۔ کنیز نے پیالہ لیا اور گانا گانے لگی اور پھر غٹا غٹ پی گئی۔ ترجمان نے مجھ سے کہا ''وہ اپنی ساتھی کنیزوں کو الوداع کہہ رہی ہے'' پھر اسے شراب کا ایک اور پیالہ دیا گیا یہ پیالا لے کر اس نے پھر گانا شروع کر دیا۔ اس دفعہ گانا کچھ زیادہ لمبا ہو گیا تو اس پیر زن جس کو ملک الموت کہا جاتا ہے اسے گانا ختم کرنے اور پیالہ خالی کرنے کی ہدایت کی۔ اور اس کو خیمے کے اندر جانے پر اکساتی رہی جہاں اس کا آقا محو استراحت تھا۔

میں نے دیکھا کہ کنیز شراب کے نشے میں بدمست ہو چکی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ وہ خیمے کے اندر جانے والی ہے مگر پھر بھی وہ کھوسٹ بڑھیا نے اسے دھکیل کر خیمے کے اندر پھینک دیا اور ساتھ ہی خود بھی خیمے کے اندر چلی گئی۔ لڑکی کے خیمے میں داخل ہوتے ہی لوگوں نے اپنی ڈھالوں پر زور زور سے ڈنڈے مارنے شروع کر دیئے تاکہ اس شور میں چیخ و پکار سنائی نہ دے سکے اور دوسری کنیزیں خوف زدہ نہ ہو جائیں کہ پھر کوئی کنیز اپنے آقا کے ساتھ مرنے کی حامی بھرنے سے انکار کر دے۔ بڑھیا کے اندر جاتے ہی چھ اور لوگ خیمے میں داخل ہوئے۔ یہ وہی چھ لوگ تھے جنہوں نے آج اس کنیز کے ساتھ باری باری جماع کیا تھا۔ پھر سب نے مل کر اس کو آقا کے پہلو میں لٹا دیا۔ پھر دو آدمیوں نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑیں، دو نے اس کے بازو تھامے اور دو نے اس کے گلے میں رسی کا پھندا ڈالا اور رسی کے دونوں سروں کو ایک ایک آدمی پکڑ کر کھڑا ہو گیا تاکہ انہیں دو مختلف سمتوں میں کھینچ کر گھیرا تنگ کیا جا سکے۔ پھر یہ پیر زن چوڑے پھل کا خنجر ہاتھ میں لئے آگے بڑھی اور اس کی پسلیوں کے درمیان پیوست کر دیا۔ اور پھر پے در پے کئی وار کئے۔ اس کے ساتھ رسی کے دونوں سرے پکڑے کھڑے دونوں آدمی رسی کو اس وقت تک کھینچتے رہے جب تک اس کا دم نہ گھٹ گیا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر مر نہ گئی[1]۔

---

1 مردے کے ساتھ جل مرنے کی رسم ہندوؤں میں بھی تھی۔ اس کو ستی ہونا کہتے تھے۔ ابنِ بطوطہ نے جو آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہندوستان آیا تھا اور کئی برس تک یہاں پر رہا تھا، ہندو عورت کی ستی کی رسم کا حال بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ''ستی ہونا ہندوؤں میں واجب نہیں ہے لیکن جو بیوہ اپنے خاوند کے ساتھ جل جاتی ہے اس کا خاندان معزز گنا جاتا ہے اور وہ خود اہل وفا گنی جاتی ہے اور جو رانڈیں ستی نہیں ہوتیں ان کو موٹے کپڑے پہننے پڑتے ہیں اور طرح طرح کی خواری میں زندگی بسر کرنی پڑتی ہے اور ان کو وفادار بھی نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن کسی کو ستی ہونے پر مجبور نہیں کیا جاتا'' آگے چل کر وہ تین بیواؤں کا ذکر کرتا ہے جنہوں نے اپنے خاوندوں کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ جل کر مرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ''وہ (عورتیں ستی ہونے سے) تین دن پہلے گانے بجانے اور کھانے میں مشغول ہو گئیں۔ گویا دنیا سے رخصت ہونے تھیں۔ ان کے پاس

اس کے بعد مرنے والے عزیز ورشتے دار آئے۔اس کے سب سے قریبی رشتے دار نے ایک خشک لکڑی اُٹھائی ،اس کو آگ لگائی اور الٹے پاؤں چلتا ہوا جہاز کے قریب گیا۔اس نے جہاز کی طرف رُخ نہیں کیا۔اس کا رُخ ساحل پر کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف رہا۔اس کے ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی لکڑی تھی اور اس نے اپنا دوسرا ہاتھ اپنی مقعد پر رکھا ہوا تھا کیونکہ وہ مادر زاد ننگا تھا۔اس نے جلتی ہوئی لکڑی سے لکڑیوں کے اس ڈھیر کو آگ لگائی جو جہاز کے ارد گرد رکھی گئی تھیں۔

پھر لوگ اپنے ہاتھوں میں جلتی ہوئی لکڑیاں لے کر آگے بڑھے اور ان جلتی ہوئی لکڑیوں کو جہاز کے اوپر پھینک دیا جس سے آگ بھڑک اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے جہاز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جلد ہی وہ خیمہ بھی آگ کی لپیٹ میں آگیا جس میں مرنے والا اور اس کی کنیز کے لاشے پڑے ہوئے تھے۔ پھر زوردار اور وحشت ناک ہوا چلی ،آگ میں تیزی آگئی اور شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

میرے برابر میں ایک روسی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا وہ میرے ترجمان سے باتیں کر رہا ہے۔ میں نے اپنے ترجمان سے پوچھا یہ شخص کیا کہہ رہا ہے اس نے بتایا کہ کہ وہ کہتا ہے کہ ''تم عرب لوگ بڑے احمق ہو''میں نے پوچھا''وہ کیسے''اس نے جواب دیا''تم اپنے عزیز ترین اور محترم ہستیوں کو زمین میں دبا دیتے ہو جہاں مٹی اور کیڑے مکوڑے انہیں کھا جاتے ہیں جبکہ ہم انہیں جلا دیتے ہیں اور وہ پلک جھپکتے ہی جنت میں پہنچ جاتے ہیں''یہ کہہ کر وہ روسی بڑے بھونڈے طریقہ سے ہنسا۔ میں نے ترجمان سے

ہر طرف سے عورتیں آتھی تھیں۔ چوتھے دن صبح کو ان کے پاس ایک گھوڑا لایا گیا اور ہر ایک بیوہ ہار سنگھار کر کے خوشبو لگا کر اس سوار ہوئی۔اس کے دائیں ہاتھ میں ناریل تھا جس کو وہ اچھالتی جاتی تھی اور بائیں ہاتھ میں آئینہ تھا جس میں وہ اپنا منہ دیکھتی جاتی تھی۔ برہمن ان کے گرد جمع تھے۔اور ہر ایک کے رشتے دار بھی موجود تھے۔آگے آگے نقارے اور نوبت بجتی جاتی تھی۔ ہر ایک ہندو اسے سلام کہتا تھا کہ میرا سلام میرے ماں باپ یا بھائی دوست کو کہنا اور وہ کہتی تھی اچھا کہدوں گی اور ہنستی جاتی تھی۔ میں بھی اپنے دوستوں کو ساتھ لے کر ان کے جلنے کی کیفیت دیکھنے کو گیا۔ ہم ان کے ساتھ تین کوس گئے اور ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی بکثرت تھا اور درختوں کے پتوں سے اندھیرا ہو رہا تھا بیچ میں چار گنبد تھے۔ ہر ایک گنبد میں ایک بت تھا اور گنبد کے بیچ میں پانی کا ایک حوض تھا۔اس پر درختوں کے سائے کے سبب دھوپ نہ پڑتی تھی۔تاریکی میں یہ جگہ گویا جہنم کا ٹکڑا تھا۔جب یہ عورتیں ان گنبدوں کے نزدیک پہنچیں تو حوض میں اتر کر انہوں نے غسل کیا اور حوض میں غوطہ لگایا اور اپنے کپڑے اور زیورات اتار کر الگ رکھ دیئے اور ان کی بجائے ایک موٹی ساڑھی باندھ لی۔ حوض کے پاس ایک نیچی جگہ آگ دہکائی گئی اور جب اس پر سرسوں کا تیل ڈالا گیا تو وہ شعلہ مارنے لگی۔ ہندؤن کے پندرہ کے قریب آدمیوں کے ہاتھ میں لکڑی کے گٹھے تھے اور دس کے قریب آدمی لکڑیوں کے بڑے بڑے کندے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ نقارہ اور نفیری والے بیوہ کے انتظار میں کھڑے تھے۔آگ کو ایک رضائی کی اوٹ میں کر لیا تھا تاکہ عورت کی نظر اس پر نہ پڑے۔ان میں سے ایک عورت نے رضائی کو زبردستی ان لوگوں کے ہاتھ سے چھین لیا اور کہا کہ کیا میں جانتی نہیں کہ یہ آگ ہے۔ مجھے ڈراتے ہو۔ پھر اس نے آگ کی طرف ڈنڈوت کی اور اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا۔اِسی وقت نقارے اور نفیریاں بجنی شروع ہوئیں۔لوگوں نے پتلی لکڑیاں جو وہ ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے آگ میں ڈالنی شروع کیں اور اس کے اُوپر بڑے بڑے کندے ڈال دئے تاکہ عورت ان کے نیچے دب جائے اور حرکت نہ کر سکے۔ حاضرین نے بہت شور کیا۔ میں یہ دیکھ کر بے ہوش ہو گیا اور گھوڑے سے گرنے کو تھا کہ مجھے میرے دوستوں نے سنبھال لیا۔'' ابن بطوطہ کا بیان ابنِ فضلان کے بیان سے بڑی حد تک ملتا جلتا ہے ۔ نارمن روسی کنیز بھی مرنے سے پہلے خوش وخرم رہتی ہے شراب پیتی ہے گانے گاتی ہے۔جب اسے ہلاک کیا جاتا ہے تو وہاں بھی لوگ شور مچاتے ہیں ،اپنی ڈھالوں پر ڈنڈے برسا برسا کر شور وغل مچاتے ہیں جبکہ ہندو ڈھول اور نفیری بجا کر شور مچاتے ہیں، دونوں کے درمیان بہت مماثلت ہے۔ مسلمان بادشاہ چونکہ ہندؤں کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیتے تھے اس لئے اس رسم پر پابندی نہیں لگائی البتہ اس کی حوصلہ شکنی کرتے رہے۔انگریزی حکومت نے اس کو غیر قانونی قرار دے کر بند کر دیا۔

دریافت کیا کہ وہ اس طرح سے کیوں ہنس رہا ہے تو اس نے جواب دیا ''کیونکہ خداوند مرنے والے سے بہت محبت کرتا ہے اس لئے اس نے تیز و تند ہوا بھیج دی تاکہ وہ اسے (مرنے والے کو) ایک گھنٹہ کے اندر اندر اٹھا کر اوپر لے جائے'' اور واقعی ابھی ایک گھنٹہ بھی نہ ہوا تھا کہ جہاز لکڑیاں، لڑکی اور اس کا آقا سبھی کچھ جل کر راکھ ہو گئے۔

پھر انہوں نے اس جگہ پر جہاں پر جہاز کو خشکی پر لا کھڑا کیا تھا ایک ٹیلہ سا بنایا، اس ٹیلے کے وسط میں صنوبر کی لکڑی کا ایک بڑا سا شہتیر نصب کیا اور اس ستون پر مرنے والے کا نام اور روسیوں کے بادشاہ کا نام کندہ کیا۔ اور پھر یہاں سے روانہ ہو گئے۔

روس کے بادشاہ کے بہت سے دستور ہیں۔ ان میں سے ایک دستور یہ ہے کہ وہ اپنے بھروسہ کے اور بہادر ساتھیوں میں سے چار سو ایسے آزمودہ کار افراد کو ہمیشہ اپنے محل میں رکھتا ہے جو اس کے اشارہ پر اپنی جان بھی نچھاور کر دیتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک کنیز ایسی ہوتی ہے جو اس کی خدمت کرتی ہے، اس کا سر دھوتی ہے اور اس کے کھانے پینے کا خیال رکھتی ہے اور ایک کنیز ایسی ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ جنسی اختلاط کرتا ہے۔ یہ چار سو جانباز اس کے تخت کے گرد بیٹھتے ہیں۔ اس کا تخت بہت بڑا ہے اور اس میں قیمتی جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ اس کی چالیس کنیزیں ہیں جو اس کے محل میں رہتی ہیں اور یہ سب اس کے ساتھ تخت پر بیٹھتی ہیں۔ وہ ان میں سے جس کنیز کے ساتھ چاہے حاضرین کی موجودگی میں مجامعت کر لیتا ہے۔

بادشاہ اپنے تخت سے نیچے نہیں اترتا۔ قضائے حاجت کے لئے ایک طشت استعمال کرتا ہے۔ جب وہ سواری کی خواہش کرتا ہے تو گھوڑا اس کے تخت کے پاس لایا جاتا ہے اور وہ اپنے تخت ہی سے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور جب گھوڑے سے اترنا چاہے تو بھی تخت پر آکر ہی اترتا ہے۔ اس کا نائب فوجوں کی کمان کرتا ہے، اس کے دشمنوں سے جنگ کرتا ہے اور رعایا کے سامنے اس کی نمائندگی کرتا ہے۔

خزر

خزر قوم کے بادشاہ کا نام ''خاقان''[1] ہے بالعموم وہ لوگوں کے سامنے نہیں آتا۔ چار ماہ میں صرف ایک بار آتا ہے اور وہ بھی لوگوں سے ایک خاص فاصلہ پر رہتا ہے۔ اس کو خاقان اعظم کہا جاتا ہے اور اس کے نائب کو ''خاقان بہ'' کہتے ہیں۔ یہی خاقان بہ اس

---

1 **خزر خاقان**۔ ساتویں صدی کے وسط میں مغربی یوریشیا میں ترکوں کا اتحاد ٹوٹ جانے کے بعد اس علاقے میں بلغار اور خزر نام کی دو قوموں کو عروج حاصل ہوا۔ ان دونوں کے درمیان زمین اور تجارت کے مسائل پر جنگیں ہوتی رہیں تاآنکہ 670ء میں خزر فاتح کی حیثیت سے علاقے پر چھا گئے اور انہوں نے ایک مضبوط حکومت قائم کی۔ بحیرہ خزر جس کو کیسپین سی Caspain Sea کہا جاتا ہے اسی قوم سے منسوب ہے اپنے زمانہ عروج میں خزر مغربی یوریشیا کی سب سے بڑی سلطنت تھی۔ پھر اندرونی شورشوں کے باعث کمزور ہو گئی۔ پہلی صدی ہجری کے آخر اور دوسری صدی ہجری کے شروع میں عربوں کے ساتھ جنگوں نے اسے اور بھی کمزور کر دیا۔ مروان بن محمد نے اموی خلیفہ ہشام کا چچازاد بھائی تھا خزریہ کے اندر گھس کر خاقان کو شکست دی۔ خاقان نے اسلام قبول کیا مگر تھوڑے عرصہ بعد ہی اپنے سابقہ مذہب پر واپس چلا گیا۔ مروان نے خزر علاقے میں

کی فوجوں کی قیادت کرتا ہے اور کاروبار مملکت چلاتا ہے اور اس کا سارا بوجھ اُٹھاتا ہے' یہی خاقان کی طرف سے لوگوں کے سامنے جاتا ہے اور دشمنوں سے جنگ کرتا ہے۔ پڑوس کے بادشاہ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ روزانہ خاقان کی خدمت میں باادب ہو کر حاضری دیتا ہے اور اپنی انکساری اور اطاعت کا ہر طرح سے اظہار کرتا ہے۔ وہ خاقان اعظم کی خدمت میں ننگے پاؤں حاضر ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں سوختنی لکڑی ہوتی ہے۔ وہ بادشاہ کو سلام کرتا ہے اور پھر لکڑی کو جلاتا ہے جب لکڑی جلنے لگتی ہے تو وہ بادشاہ کے دائیں جانب تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔ ''خاقان بہ'' کا نمائندہ ''کندر خاقان'' کہلاتا ہے اور کندر خاقان کے نمائندے کو ''جاؤشیغر'' کہا جاتا ہے۔

خاقان اعظم کا دستور ہے کہ وہ دربار عام نہیں لگاتا اور نہ لوگوں کو اذنِ باریابی دیتا ہے۔ اور نہ عام لوگوں سے کلام کرتا ہے اور نہ مذکورہ بالا اشخاص کے سوا کسی اور کو اس کے قریب آنے کی اجازت ہے۔

مملکت کا کاروبار چلانے' مجرموں کو سزا دینے اور دیگر معاملات کو نبٹانے کا اختیار ''خاقان بہ'' کے پاس ہے۔

یہاں کا دستور ہے کہ جب خاقان اعظم کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے لئے ایک بڑا مکان تعمیر کیا جاتا ہے جس میں بیس کمرے ہوتے ہیں۔ ہر کمرے میں اس کے لئے قبر کھودی جاتی ہے۔ پتھر کو پیس پیس کر سرمہ کی مانند باریک کر کے اس کو قبر کے اوپر پھیلا دیا جاتا ہے اور پھر اس کے اوپر چونا پھیر دیا جاتا ہے۔ اس مکان کے نیچے ایک ندی بہتی ہے جس میں ہر دم پانی رواں رہتا ہے۔ قبر اس ندی کے اوپر بنائی جاتی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ قبر کو ندی کے اوپر اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ شیطان یا کوئی انسان یا کیڑے مکوڑے اس تک نہ پہنچ سکیں''۔

خاقان اعظم کی تدفین کے بعد ان تمام لوگوں کے سر قلم کر دیئے جاتے ہیں جو تدفین کے وقت موجود ہوتے ہیں۔ یہ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ خاقان اعظم کو کس کمرے میں دفن کیا گیا تھا۔ اس کی قبر کو جنت کہا جاتا ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ''وہ جنت میں داخل ہو گیا ہے'' ہر کمرے میں بنی ہوئی قبر پر خواب کی چادر چڑھی ہوتی ہے۔

کوئی بیس ہزار مسلمانوں کو آباد کیا۔ رفتہ رفتہ مسلمانوں کا اثر بڑھتا گیا اور خزر دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ بلغاروں کے مسلمان ہونے کے بعد خزر کی طاقت کی کمر ٹوٹ گئی۔ چنگیزی حملوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ خزر مملکت فنا ہو گئی اور خزر لوگ دوسری قوموں میں گھل مل گئے۔ یہ لوگ کس نسل سے تعلق رکھتے تھے' اس کا تعین نہیں ہو سکا۔ ترک ان کو ترکوں کی ایک شاخ تصور کرتے ہیں۔ ان کی اکثریت وہی مذہبی عقائد رکھتی تھی جو ترکوں میں مقبل تھی۔ البتہ خزر قوم کا بادشاہ جو خاقان کہلاتا تھا یہودی مذہب میں شامل ہو گیا تھا نویں صدی میں عیسائیت نے بھی نفوذ شروع کر دیا تھا اور اسلام نے بھی جڑ پکڑنا شروع کر دی تھی۔ ابنِ فضلان کے وقت خزریہ میں مسلمان خاصی تعداد میں آباد تھے۔ ان کا بادشاہ خاقان کہلاتا تھا۔ وہ عام لوگوں سے ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ صرف چند لوگوں کو اس تک رسائی حاصل تھی۔ اصل حکمران اس کا نائب تھا جو سیاہ و سفید کا مالک ہوتا تھا۔ آج اس قوم کا کہیں وجود نہیں ہے' صرف بحیرۂ خزر (Caspain Sea) باقی رہ گیا ہے۔

خزر لوگوں کے رواج کے مطابق خاقان اعظم کی پچیس بیویاں ہوتی ہیں۔ ہر بیوی کسی نہ کسی ہمسایہ بادشاہ کی بیٹی ہوتی ہے جسے وہ برضا ورغبت یا بزور حاصل کرتا ہے۔ان بیویوں کے علاوہ اس کے محل میں ساٹھ کنیزیں ہوتی ہیں جو خوبصورتی میں ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہیں۔آزاد اور غلام عورتیں (کنیزیں) سب الگ الگ محل (قصر) میں رہتی ہیں اور ہر محل کے اندر ایک کمرہ (قبہ) ہوتا ہے جس کی چھت ساگوان کی لکڑی کی بنی ہوتی ہے۔ یہ قبہ بادشاہ کے لئے ہوتا ہے۔ یہ بادشاہ کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ ہر عورت کے ساتھ خواہ وہ آزاد ہو یا کنیز ایک خواجہ سرا ہوتا ہے جو اس کا خیال رکھتا ہے۔ جب بادشاہ کو ان (بیویوں اور کنیزوں) میں سے کسی ایک کے ساتھ اختلاط کی خواہش ہوتی ہے تو وہ خواجہ سرا کو بلا بھیجتا ہے اور خواجہ سرا چشم زدن میں مطلوبہ بیوی یا کنیز کو بادشاہ کے بستر میں پہنچا دیتا ہے۔ جب تک بادشاہ فارغ نہیں ہو جاتا خواجہ سرا شاہی قبہ کے دروازے پر کھڑا رہتا ہے اور جوں ہی بادشاہ فارغ ہوتا ہے وہ بیوی یا کنیز جو بھی ہو اس کا ہاتھ پکڑ کر بعجلت بادشاہ کے پاس سے لے جاتا ہے۔اس کے بعد خواجہ سرا اس عورت کو تنہا نہیں چھوڑتا۔

باشاہ جب گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تو ساری فوج اس کی پیروی کرتی ہے مگر بادشاہ اور فوج کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہوتا ہے۔ رعایا کا کوئی فرد اگر بادشاہ کو دیکھ لے تو وہ فوراً ہی منہ کے بل زمین پر گر جاتا ہے اور اس کے روبرو سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ اور جب تک بادشاہ کی سواری گزر نہ جائے وہ شخص سر اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

یہاں بادشاہ کی حکومت کی عمر چالیس سال ہوتی ہے۔ جب کوئی بادشاہ چالیس سال حکومت کر لیتا ہے تو اس کی رعایا اور خدم وحشم یہ کہہ کر اس کو قتل کر دیتے ہیں کہ ''اس کی عقل ماری جا چکی ہے اور اس کا دماگ چل گیا ہے''۔

جب وہ اپنی فوج کو کسی مہم پر بھیجتا ہے تو وہ کسی حالت میں پیٹھ نہیں دکھاتی۔ یہاں پر میدان جنگ میں شکست کھا کر فرار ہو کر آنے والوں کے لئے موت کی سزا دی جاتی ہے۔ بادشاہ ان بھگوڑوں کو اور ان کے بیوی بچوں کو بطور سزا کسی شخص کو بخش دیتا ہے۔ یہی حشر ان کے گھوڑوں، مال مویشی اور جائیداد کا کرتا ہے جو ان سے چھین کر دوسرے لوگوں کو عطا کر دی جاتی ہے۔ کبھی بھی جنگ میں پیٹھ دکھا کر بھاگ آنے والوں کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں اور پھر ان ٹکڑوں کو دار پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ کبھی وہ بھگوڑوں کے گلے میں پھندا ڈال کر ان کو درختوں پر لٹکا دیتا ہے اور کبھی مہربان ہو جائے تو سزا کے طور پر اصطبل کا داروغہ لگا دیتا ہے۔

بادشاہ خزر کا شہر دریائے اتل (والگا) کے دونوں کنارے پر آباد ہے۔ یہ بہت بڑا شہر ہے ۔ایک طرف مسلمان آباد ہیں اور دوسرے کنارے پر بادشاہ اور اس کے ہم قوم (خزر) رہتے ہیں۔ بادشاہ کا ایک غلام مسلمان ہے اور وہ مسلمانوں پر حکومت کرتا ہے ۔اس کو ''خز'' کہا جاتا ہے۔ خزر علاقے میں رہنے والے مسلمانوں سے متعلق قانونی فیصلے یہی شخص کرتا ہے۔اور خزر علاقے میں تجارت کے لئے آنے والے مسلمانوں کو اپنے معاملات کے لئے اسی غلام کے پاس جانا ہوتا ہے۔اس کے سوا کوئی شخص مسلمانوں کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا اور نہ ہی کوئی اور مسلمانوں کے معاملات میں منصف کے فرائض ادا کر سکتا ہے۔

اس شہر میں مسلمانوں کی ایک جامع مسجد ہے جہاں وہ نماز جمعہ کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ مسجد کا ایک بلند مینار تھا اور مسجد میں کئی موذّن ہیں۔ جب 310ھ میں شاہ خزر کو خبر ملی کہ مسلمانوں نے باب الیہخ (دارالیہخ) میں واقع یہودیوں کی عبادت گاہ کو تباہ کر دیا ہے تو اس نے مسجد کے مینار کو گرانے کا حکم دیدیا اور یہ کہہ کر موذّنوں کو قتل کروادیا کہ ''اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ دنیائے اسلام میں یہودیوں کی ساری عبادت گاہیں تباہ کر دی جائیں گی تو میں اس مسجد کو بھی تباہ کر دیتا''۔

خزر اور ان کا بادشاہ سب یہودی ہیں۔ صقالبہ اور ان کے ہمسایہ ممالک اسی بادشاہ کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ وہ ان کے ساتھ اس لہجے میں کلام کرتا ہے جس لہجے میں غلاموں سے بات کی جاتی ہے مگر وہ اس کی اطاعت گزاری کے پابند ہیں۔

❀❀❀ ختم شد ❀❀❀